حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہدِ تاریخ

(سیرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان)

تحقیق

خالد محمود

ترجمہ

ڈاکٹر نور احمد

زاویہ پبلشرز

۶- مرکز الاویس (دستا ہوٹل) دربار مارکیٹ - لاہور

فون: ۰۴۲-۷۲۳۸۶۵۷ موبائل: ۰۳۰۰-۹۴۶۷۰۴۷

۲۰۰۴ء

باراول ______ ۱۰۰۰

ہدیہ ______ 80 روپے

○

زیر اہتمام

نجابت علی تارڑ

ملنے کے پتے

- ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور ۰۴۲-۷۲۲۱۹۵۳
- دارالاخلاص ۔ ۴-۳ صدف پلازہ محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور شہر ۰۹۱-۲۵۶۷۵۳۹
- مکتبہ قادریہ نزد چوک میلاد مصطفیٰ سرکلر روڈ۔ گوجرانوالہ ۰۴۳۱-۲۳۷۶۹۹
- مکتبہ غوثیہ ہول سیل (پرانی سبزی منڈی) کراچی ۰۲۱-۴۹۱۰۵۸۴
- مکتبہ عثمانیہ۔ رامتلائی روڈ۔ سیالکوٹ ۰۳۰۰-۶۱۰۸۳۱۲
- احمد بک کارپوریشن۔ کمیٹی چوک۔ راولپنڈی ۰۵۱-۵۵۵۸۳۲۰
- مکتبہ المجاہد۔ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ۔ بھیرہ شریف ۰۴۵۲۱-۹۱۱۷۶۳
- مکتبہ چشتیہ۔ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا
- منہاج القرآن پبلی کیشنز۔ ضیاء مارکیٹ۔ سرگودھا ۰۴۵۱-۷۲۱۶۳۰

سیرت عثمانؓ بن عفان

پیش لفظ

حضرت عثمانؓ کا عہد تاریخِ اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کے زمانہ میں بعض فتنہ پردازوں کی وجہ سے فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا وہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی بند نہیں ہو سکا اور مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے درمیان اختلاف کی جو خلیج حائل ہوئی وہ نہ صرف یہ کہ اب تک پاٹی نہیں جا سکی بلکہ اس کی وسعت اور اس کی گہرائی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

اس فتنہ کے اسباب کیا تھے؟ اس کے بھڑکانے میں کس کا ہاتھ تھا؟ اس کے پیدا ہونے میں حضرت عثمانؓ کس حد تک ذمہ دار تھے؟ اکابر صحابہؓ اور عامتہ المسلمین کا اس موقعہ پر کیا رویہ تھا؟ یہ سوالات ایسے ہیں جو ساڑھے تیرہ سو سال سے لوگوں کے دلوں میں مسلسل پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ اکثر مورخین نے اپنے قلم سے اس عقدہ کو کھولنے کی کوشش کی ہے مگر بہت کم اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ کتاب بھی ہے جس کا ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے مولف کتاب ہذا ’عمر ابوالنصر‘‘ نے اس کتاب میں ان تمام آراء کو تو جمع کر دیا ہے جو اس فتنہ کے متعلق مورخین نے وقتاً فوقتاً قائم کی ہیں اور اس میں ان کو انتہائی کاوش اٹھانی پڑی ہے لیکن اپنی طرف سے ان پر کوئی محاکمہ نہیں کیا اور اگر کیا بھی ہے تو وہ ایسا پیچیدہ ہے کہ قارئین کرام اس سے کوئی ٹھوس نتیجہ نہیں نکال سکتے۔ اور اس طرح ان کو ایک ذہنی اُلجھن میں مبتلا ہونا پڑتا ہے حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ مورخین قدیم و جدید کے بیان کردہ واقعات اور ان کی آراء کو درج کرنے کے بعد اس عہد کے مذہبی‘ تمدنی‘ سیاسی‘ اقتصادی اور معاشرتی حالات کو سامنے رکھ کر اس دور پر اپنی طرف سے ایک تبصرہ کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ مورخین نے واقعات بیان کرنے اور رائیں قائم کرنے میں کہاں تک صحیح راستہ اختیار کیا ہے اور کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے۔

اسی امر کو مدِنظر رکھ کر میں چاہتا ہوں کہ بعض ضروری اور اہم امور کو پہلے ہی بیان کر دوں تاکہ جب ناظرین ان مقامات پر پہنچیں تو ان کو کسی قسم کی اُلجھن نہ ہو وہ امور یہ ہیں:

1- حضرت عثمانؓ کے خلاف جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ قطعاً بے بنیاد ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

2- کبار صحابہؓ پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے اور انہوں نے فتنہ کے فرو کرنے میں حضرت عثمانؓ کی کوئی مدد نہیں کی۔ یہ واقعات کے صریح خلاف ہے اور صحابہؓ کے مقدس اور پاکباز گروہ پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔

دراصل یہی دو (۲) امور ہیں جن پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مورخین نے فتنہ کے اسباب و علل تلاش کرنے میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں اور وہ معاملہ کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے۔ ورنہ یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ نہ تھا جس کو محض اپنے خیالات کی غلطی کی وجہ سے پیچیدہ سمجھ لیا گیا۔

ان امور کو زیر بحث لانے سے پہلے اس اصل کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ خلافتِ راشدہ کوئی دنیاوی حکومت نہ تھی۔ بلکہ ایک دینی نظام تھا اور قرآنِ کریم کے احکام کے مطابق قائم کیا گیا تھا اور اس کے خلفاء کسی دنیاوی حکومت کے بادشاہ نہیں تھے بلکہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے معلّم اور خادم تھے وہ جو کچھ کرتے تھے اپنی خواہش سے نہیں کرتے تھے بلکہ خداتعالیٰ کے حکم اور اس کے رسول کی ہدایات کے مطابق کرتے تھے اور ان پر بدگمانی کرنا ایک خطرناک غلطی ہے۔

اسی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں خلفاء کے متعلق اعتراضات پیدا ہوتے ہیں اور تمام دوسرے انسانوں کی طرح وہ ان کو بھی گناہ گار اور غلط کار سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ واقعتہً ایسا نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف ان کے مخالفین ایک بہت بڑی فہرست الزامات کی بیان کرتے ہیں اور تعجب یہ ہے کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء، محققین و مورخین ان کو صحیح سمجھے بیٹھے ہیں مگر بادنیٰ تفکر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ ان الزامات سے قطعاً بری ہیں۔

آپ پر جس قدر اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں سے مشہور مشہور الزامات یہ ہیں۔

1- سب سے پہلا الزام آپ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے کبار صحابہؓ کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس الزام کو درست مان لیا جائے تو پھر کون ہے جو اس سے بچا ہوا ہے؟ کیا حضرت عمرؓ پر جن کی فراست، دور اندیشی اور عدل و انصاف دنیا بھر میں ضرب المثل ہے، یہ الزام عائد نہیں ہوتا؟ آپ نے حضرت خالدؓ بن ولید (جن کو رسول اللہ ﷺ

نے ''سیف اللہ'' کا خطاب دیا تھا) حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا۔ پھر کیا یہ الزام حضرت علیؓ پر عائد نہیں ہوتا جنہوں نے خلافت سنبھالتے ہی حضرت عثمانؓ کے تمام عمال کو معزول کر دیا تھا ان معزول شدہ عمال میں طرابلس، آرمینیہ اور قبرص کے فاتحین بھی شامل تھے۔

حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو معزول کیا وہ مندرجہ ذیل تھے۔

1- حضرت عمروؓ بن العاص ۔ فاتح مصر

2- حضرت سعدؓ بن ابی وقاص گورنر کوفہ

3- حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ

4- حضرت مغیرہؓ بن شعبہ

5- حضرت عبداللہؓ بن ارقم مہتمم بیت المال

1- حضرت عمروؓ بن العاص کو اس بناء پر معزول کیا گیا کہ آپ نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کیا تھا۔ ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا۔ نیز نئی نہروں کے جاری ہونے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں اضافہ نہ کر سکے۔ لیکن عبداللہ بن ابی سرح کے تقرر کے بعد مالیہ بہت زیادہ آنا شروع ہو گیا تھا۔

2- سعدؓ بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے بیت المال سے ایک بہت بڑی رقم قرض لی۔ لیکن اس کو وقت پر ادا نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے عبداللہ بن مسعود مہتمم بیت المال سے جھگڑا بھی ہوا۔

3- ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی کی وجہ یہ تھی کہ آپ رعایا کو خوش نہ رکھ سکے اور وہاں کے لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ابوموسیٰ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔

4- مغیرہؓ بن شعبہ پر رشوت ستانی کا الزام لگایا گیا۔ اگرچہ یہ سراسر بہتان تھا لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ سعدؓ بن ابی وقاص کے تقرر کی وصیت کی تھی اس لئے ان کو معزول کر دیا گیا۔

5- عبداللہ بن ارقم مہتمم بیت المال کی معزولی کی وجہ ان کا بڑھاپا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کی معزولی کے وقت جلسہ عام میں ایک بیان دیا تھا جو یہ ہے۔

الا ان عبد اللّٰہ بن ارقم لم یزل علٰی جراتکم زمن ابی بکر و عمر الی الیوم و انہ کبر و ضعف و قد ولینا عملہ زید بن ثابت

یعنی عبداللہ بن ارقم ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ سے اس وقت تک آپ کے تقسیم وظائف کی خدمت انجام دیتے رہے لیکن اب وہ بوڑھے اور ضعیف ہو گئے ہیں اس لئے اس خدمت کو زیدؓ بن ثابت کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ عمال اور دوسرے عہدیداروں کی معزولی کے جو وجوہ اوپر لکھے گئے ہیں ان پر کسی شخص کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ان امور کی موجودگی میں یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے محض ذاتی عناد کی وجہ سے ان بزرگوں کو معزول کر دیا۔

2- دوسرا الزام آپ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے نااہل اور ناتجربہ کار لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہوتا اور آپ کے مقرر کردہ عمال بے راہ رو ہوتے تو جب تفتیش احوال کے لئے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے لوگوں کو اپنی قلمرو کے ہر حصہ میں بھیجا تھا تو وہ لوگ ہرگز یہ رپورٹیں نہ لاتے کہ تمام عمال بہت اچھی طرح کام کر رہے ہیں۔ ان سے رعایا کے کسی فرد کو شکایت نہیں ہے اور انہوں نے عدل و انصاف کو ملک میں پورے طور پر نافذ کیا ہے۔ اگر وہ نااہل اور ناتجربہ کار ہوتے تو رعایا کا ایک بہت بڑا حصہ ان کے خلاف ہو جاتا اور شورش برپا کر دیتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے چند فتنہ پردازوں کے جنہوں نے محض اپنی ذاتی اغراض حاصل کرنے کے لئے عمال کا خلاف شور و غوغا بلند کیا تھا باقی رعایا اس فتنہ سے بالکل علیحدہ رہی۔

بے شک ولید بن عقبہ، سعید بن العاص، عبداللہ بن ابی سرح اور عبداللہ بن عاص اس بلند پایہ حیثیت کے مالک نہیں تھے جو صحابہ کرامؓ کو حاصل تھی۔ لیکن ان کے انتظامی کارنامے اور بڑی بڑی فتوحات جو عہد عثمانی میں انہوں نے کیں کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ انہی لوگوں کی ہمت، دلیری اور جرات سے طبرستان، آرمینیہ، طرابلس، قبرص، ہرات، سجستان اور نیشا پور اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے اور اسلامی سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ کیا یہ ساری فتوحات نااہل اور ناتجربہ کار اہلکاروں کے ہاتھوں سے انجام پاتی رہیں؟

3- تیسرا الزام حضرت عثمانؓ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

اس الزام کا جواب خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں دیا تھا جس میں بعض صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ "لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ میں اپنے خاندان کے

لوگوں کو کلیدی عہدے دینے میں دوسرے لوگوں پر ترجیح دیتا ہوں۔ مگر کیا رسول اللہ ﷺ قریش کو باقی اہل عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے؟ اور کیا قریش میں سے بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے؟ کیا حضرت رسول کریم ﷺ پر بھی بعض جلد باز نوجوان انصاریوں نے ایک جنگ کے موقع پر یہی اعتراض نہیں کیا تھا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے لیکن اموال غنیمت مہاجرین (یعنی قریش) سمیٹ کر لے گئے ہیں۔''

درحقیقت ایسے اعتراضات سے خود معترضین کے دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو حضرت عثمانؓ نے اہم عہدوں پر مقرر کیا وہ درحقیقت ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے اہل بھی تھے یا نہیں؟ اگر وہ لوگ اہل تھے اور اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھاتے تھے تب یہ اعتراض سراسر باطل ہو جاتا ہے کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دیے۔ واقعہ یہی ہے کہ آپ نے جن لوگوں کو کلیدی آسامیوں پر مقرر کیا وہ بالعموم امور مملکت کو سرانجام دینے کے پورے اہل تھے جب ہی یہ بات تھی کہ گیارہ برس کی طویل مدت میں سلطنت کے کاموں میں کسی طرح کا ضعف نہیں آیا اور ہر کام خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پاتا رہا۔ فتوحات بھی ہوتی رہیں اور ملکی انتظام میں بھی کسی قسم کی خرابی واقع نہیں ہوئی۔ اور یہ صورت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک عمال، حاکم اور کارکن لائق قابل اور فرض شناس نہ ہوں۔

4- چوتھا الزام حضرت عثمانؓ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے بیت المال میں بے جا تصرف کیا اور اس میں سے اپنے عزیز و اقارب کو کثرت سے دولت عطا کی۔

اس اعتراض کے ثبوت میں جن واقعات کو پیش کیا جاتا ہے وہ یا تو ازسرتا پا غلط ہیں یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل دی گئی ہے۔

حضرت عثمانؓ ذاتی طور پر نہایت مالدار شخص تھے۔ تجارت سے آپ کو لاکھوں روپے کی آمدنی ہوتی تھی۔ آپ نے ایک کثیر رقم خرچ کر کے مسجد نبوی کی توسیع کی۔ لاکھوں روپے سے جیش عسرت کو آراستہ کیا۔ ہزار ہا روپیہ دے کر بئر رومہ کو ایک یہودی سے خریدا اور اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ ایسا شخص جو خدا کی راہ میں لاکھوں روپے صرف کرنے سے بھی دریغ نہ کرے، اپنے مال میں سے اپنے عزیز و اقارب کو کچھ نہیں دے سکتا تھا؟

حضرت عثمانؓ کے سامنے بھی معترضین نے یہی اعتراض پیش کیا تھا جس کا جواب حضرت عثمانؓ نے ایک تقریر میں دیا تھا۔ آپ کی یہ تقریر طبری میں درج ہے ہم اس کا ترجمہ

ذیل میں درج کرتے ہیں جس کے پڑھنے سے واضح ہو جائے گا کہ اس اعتراض کی کیا حقیقت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

''لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح میری فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کے لیے۔ میں رسولِ کریم ﷺ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی اپنے مال سے عزیزوں کو گراں قدر عطیے دیا کرتا تھا اور اب جبکہ میں اپنی طبعی عمر کو پہنچ چکا ہوں اور میں نے اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو مفسد ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی ایسا بار نہیں ڈالا کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو جو کچھ وصول ہوا وہ انہی لوگوں کی بہتری اور ترقی پر صرف ہوا۔ میرے پاس خمس آتا ہے اور اس میں سے بھی میرے لیے کچھ لینا جائز نہیں ۔ خدا کے مال میں ایک پیسہ کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا۔ میں اس میں سے کچھ نہیں لیتا' یہاں تک کہ کھاتا بھی ہوں تو اپنے ہی مال سے۔''

اس کے بعد ہم ان واقعات کو لیتے ہیں جن کی بنا پر ''طبری'' نے حضرت عثمانؓ پر بیت المال کے بے جا اسراف اور اس کے روپے میں سے اپنے عزیزوں کو گراں قدر عطیے دینے کا الزام لگایا ہے۔

1- حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ ﷺ نے طائف جلا وطن کر دیا تھا۔ مدینہ آنے کی اجازت دے دی اور بیت المال میں سے اس کو ایک لاکھ درہم عطا کیے اور اس کے لڑکے حارث کو حکم دے دیا کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لیے عشر وصول کر لے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حکم بن العاص کو رسول اللہ ﷺ نے طائف جلا وطن کر دیا تھا۔ لیکن اخیر عہد میں حضرت عثمانؓ کی سفارش سے واپس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ صاحب اصابہ اور اسد الغابہ دونوں نے حکم کے حالات میں اس اجازت کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس اجازت کا علم نہیں تھا اس لیے ان دونوں نے اس کو واپس

زمانہ میں حکم کو واپس بلا لیا اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا اور صلہ رحم کے طور پر اپنے پاس سے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے نیز لڑکی کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت فرمایا۔

حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا بالکل بے بنیاد ہے۔

2- مروان کو طرابلس الغرب کے مالِ غنیمت کا خُمس دیا گیا۔

حضرت عثمانؓ پر یہ بھی ایک بہتان ہے۔ تاریخ ابنِ خلدون میں لکھا ہے:

''ابنِ زبیر نے فتح کی خوشخبری اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ دارالخلافہ روانہ کیا جس کو پانچ لاکھ دینار پر مروان نے خرید لیا۔''(1)

ظاہر ہے کہ کسی شخص کو عطیہ دینے اور اس کے ہاتھ فروخت کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

3- بیت المال سے زید بن ثابت کو ایک لاکھ درہم دیئے۔

یہ روایت بھی بے بنیاد ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں لوگوں کو وظیفے دینے کے بعد کافی رقم بچ گئی۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت کو جو مہتمم بیت المال تھے حکم دیا کہ اس کو رفاہِ عامہ کے کام پر صرف کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے اس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کر دیا۔

4- ایک اور الزام حضرت عثمانؓ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے مدینہ کے اطراف میں بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور عوام کو اس میں اپنے جانور چرانے سے روک دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فوجی اور قومی ضروریات کے لیے چراگاہیں بنوانا ہر حاکم کا فرض ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ نے ایسی چراگاہیں بنوائیں تو اگر حضرت عثمانؓ نے بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دے دیا تو اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے۔ باقی رہا عوام الناس کو اس سے مستفید نہ ہونے دینا' تو چونکہ یہ چراگاہیں سرکاری خرچ پر تیار ہوئی تھیں اور فوجی گھوڑے اور زکوٰۃ کے اونٹ اس میں چرتے تھے اس لیے اگر عوام بھی اسے استعمال کرتے تو

(1) ابن خلدون ج 2 ص 129

نقصان کا بھی اندیشہ تھا اور گڑ بڑ پیدا ہونے کا بھی قوی احتمال تھا اس لیے رفع شر کی خاطر حضرت عثمانؓ نے عوام کو اپنے جانور اس میں چرانے سے روک دیا۔

5- ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک میں بعض نہایت وسیع قطعات دیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عراق میں بہت سی زمین غیر آباد اور بنجر پڑی ہوئی تھی، جو لوگوں نے اسے قابل زراعت بنایا' آپ نے وہی زمین ان کو مرحمت فرمادی۔ فقہ کا بھی یہ مسئلہ ہے کہ جو شخص نا قابل کاشت زمین کو قابل کاشت بنائے .وہ زمین اسی کی ملکیت تصور ہوگی۔ اسی طرح مملکت میں زیادہ رقبہ کو قابل کاشت بنایا جا سکتا ہے اور لوگ شوق سے زراعت کرتے ہیں۔

6- ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلا وطن کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذرؓ کو خود جلا وطن نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے خود اپنی مرضی سے مدینہ سے باہر جا کر رہنا پسند کیا تھا۔ حضرت ابوذرؓ صوفی منش آدمی تھے اور لوگوں کو مال و دولت جمع کرنے سے روکتے تھے ۔ ان کی باتوں سے متاثر ہو کر بعض غریبوں نے امیروں کو تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر پہنچی انہوں نے حضرت معاویہؓ کو کہلا بھیجا کہ ابوذرؓ کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھجوا دو (حضرت ابوذرؓ ان دنوں شام میں مقیم تھے) چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی بہت عزت و تکریم کی۔ لیکن ان کے پیش کردہ نظریہ سے متفق نہ ہوئے۔ اس پر حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ پھر آپ مجھے اجازت دیں کہ میں کہیں اور چلا جاؤں کیونکہ مدینہ میرے مناسب حال نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ کیا آپ اس گھر کو چھوڑ کر اس گھر سے بدتر گھر اختیار کریں گے؟ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پھیل جائے تو تم مدینہ میں نہ رہنا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے بادل نخواستہ ان کو ربذہ جانے کی اجازت مرحمت فرمادی اور کچھ اونٹ اور دو غلام ساتھ کر دئے۔

7- ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ والی کوفہ ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں آپ نے غیر معمولی تاخیر کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو الزام ولید پر لگایا گیا تھا اس کا جواب دینے کے لیے حضرت عثمانؓ نے فوراً اس کو مدینہ میں طلب فرمایا اور جب گواہوں کے بیانات سے اس

اب پینا ثابت ہوگیا تو آپ نے اس پر حد جاری کی۔ اس سے سزا دینے میں ''غیر معمولی''
قیر کا نتیجہ کس طرح نکالا جا سکتا ہے۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ شریعت کے لحاظ سے گواہی کی رعایت رکھتے ہوئے
رت عثمانؓ نے ولید کو سزا دی ورنہ اس پر شراب پینے کا الزام شاید پورے طور پر ثابت نہ
۔ واقعہ کی تفصیل تاریخوں میں یہ بیان کی گئی ہے کہ فتنہ کے سرغنوں نے ولید بن عقبہ والی کوفہ
معزول کرانے کی سازش کی اور چند جاسوس مقرر کیے تاکہ کوئی عیب ولید کا پکڑ کر ان کو اطلاع
ں۔ جاسوسوں نے ایک دفعہ ان کو اطلاع دی کہ ولید اپنے ایک دوست ابوزبیر کے ساتھ مل کر'
عیسائی سے مسلمان ہوا تھا' شراب پیتا ہے۔ اس پر ان مفسدوں نے شہر کے لوگوں سے یہ کہنا
وع کر دیا کہ ''تمہارا گورنر شراب پیتا ہے۔'' عوام الناس جوش سے بے قابو ہو کر ولید کے گھر
گھس گئے لیکن وہاں کچھ بھی نہ پایا۔ اس پر وہ لوگ ان مفسدوں کو لعنت و ملامت کرتے
ے باہر نکل آئے۔

ولید نے یہ غلطی کی کہ اس واقعہ کی حضرت عثمانؓ کو کوئی اطلاع نہ دی لیکن ان
سدوں نے پہلے سے بھی زیادہ جوش سے ولید کو گرانے کی تدبیریں کرنی شروع کیں۔ حضرت
انؓ نے ایک وفد بھیجا کہ ولید کو معزول کر دیا جائے لیکن آپ نے فرمایا کہ جب تک اس پر
ی جرم یا نااہلی کا الزام ثابت نہ ہو' اس وقت تک میں تمہارے مطالبات ماننے سے قاصر
ں۔ اس پر ان لوگوں نے سازش کی کہ کسی طرح اس پر شراب پینے کا جرم ثابت کیا جائے۔
زینب اور ابومورع دو شخصوں نے اس بات کا ذمہ لیا اور اس دن سے ولید کی مجلس میں جانا
روع کر دیا ایک دن موقع پا کر جبکہ کوئی نہ تھا اور ولید سو رہا تھا ان دونوں نے اس کی انگوٹھی
ہتہ سے اتار لی اور اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ روانہ ہوگئے۔ وہاں جا کر حضرت عثمانؓ
ے کہا کہ ہم نے ولید کو شراب میں مخمور دیکھا ہے اور اس کا ثبوت یہ انگوٹھی ہے جو ان کے
تھ سے نشہ کی حالت میں ہم نے اتاری ہے۔ اور ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان
ے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں کے سامنے ولید نے شراب پی تھی؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ ہم نے
ن کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انگوٹھی اس کا ثبوت موجود تھی اور دو گواہ حاضر
تھے۔ کچھ مفسد بھی ان کے ساتھ اس شہادت کو پکا کرنے کے لیے گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے
حابہؓ سے مشورہ کیا جنہوں نے اس پر حد جاری کرنے کی صلاح دی۔ چنانچہ ولید کو کوفہ سے بلایا
لیا اور شراب پینے کی سزا میں اس کو کوڑے لگائے گئے۔ ولید نے گو تمام واقعہ حضرت عثمانؓ

کی خدمت میں عرض کر دیا لیکن آپ نے فرمایا کہ شریعت کی رو سے گواہوں کے بیان کے مطابق سزا تو ملے گی۔ ہاں جھوٹی گواہی دینے والا خداتعالیٰ کی طرف سے سزا پائے گا۔

8- ایک بڑا الزام حضرت عثمانؓ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بصرہ، کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازوں نے یہ طے کیا کہ اپنے اپنے شہروں سے حاجیوں کی صورت میں مدینہ چلنا چاہیے اور حضرت عثمانؓ سے بزور اپنے مطالبات منوانے چاہئیں۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا اور چند آدمی باری باری حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ حضرت سعدؓ بن وقاص اور حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ حضرت عثمانؓ بدانتظامی کے باعث اب خلافت کے قابل نہیں ہم ان کو معزول کرنے آئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ ان کے بعد اس عہدہ کو قبول کر لیں گے۔ ان سب نے ان کو دھتکار دیا اور یہ ناکام ہو کر اپنے ڈیروں میں واپس چلے گئے۔

حضرت عثمانؓ کو فتنہ و فساد کا دبانا اور لوگوں کی صحیح شکایات کو رفع کرنا بہر حال منظور تھا۔ جب آپ نے ان مفسدین کے آنے کی خبر سنی تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے پوچھیے۔ میں ان کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جس پر ان فسادیوں نے چند گورنروں کو بدل دینے کی درخواست کی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی خواہش کے بموجب مصر کے والی عبداللہ بن ابی سرح کو بدل دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو والی مصر مقرر کر دیا۔

اس پر یہ لوگ بظاہر خوش ہو کر واپس چلے گئے۔ لیکن چند روز بعد ہی اچانک پھر مدینہ پر چڑھ آئے اور تمام شہر پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ نے ان سے واپس آنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ "ہم واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ صدقہ کے ایک اونٹ پر سوار ہے۔ کبھی ہمارے سامنے آ جاتا ہے اور کبھی پیچھے رہ جاتا ہے۔ ہمارے بعض آدمیوں کو اس پر شک گزرا اور انہوں نے اس کو پکڑ لیا۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ تو کس کام کو جاتا ہے تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ اس پر اس کا جامہ تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے حضرت عثمانؓ کا لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا جس میں والی مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ "جس وقت مصر کا وفد واپس مصر پہنچے تو ان میں سے فلاں فلاں کو قتل کر دینا، فلاں فلاں کو کوڑے مارنا، ان کے سر اور داڑھیاں منڈوا دینا اور جو خط ان کی معرفت تمہارے معزول کیے جانے کے متعلق لکھا ہے اس کو باطل سمجھنا" اس بدعہدی کو دیکھ کر اب ہم لوٹ آئے ہیں۔"

اس پر حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہؓ نے فوراً کہا کہ یہ بالکل جھوٹ اور بنائی ہوئی بات ہے۔ جب تم لوگ الگ الگ راستوں پر جا رہے تھے تو تم سب کو یک دم اس خط کی اطلاع کیسے مل گئی؟ جب حضرت عثمانؓ نے یہ واقعہ سُنا تو ان مفسدین اور اکابر صحابہؓ کو اپنے پاس بُلا کر قسم کھائی اور فرمایا کہ نہ میں نے لکھوایا ہی ہے نہ مجھے علم ہے کہ یہ خط کس نے لکھا۔ پھر فرمایا تم سب جانتے ہو کہ کبھی جھوٹے خط بھی بنا لیے جاتے ہیں۔ خط سے خط بھی مل جاتا ہے اور مُہر کی نقل بھی بنوائی جا سکتی ہے۔ جب صحابہؓ نے یہ جواب سُنا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس الزام سے بالکل بری قرار دیا۔ لیکن مفسدین پر اس تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر یہی الزام دہراتے رہے۔

بعض لوگ حضرت عثمانؓ کو تو اس الزام سے بری سمجھتے ہیں مگر یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ خط آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری مروان نے بطورِ خود لکھ کر بھیج دیا ہوگا۔ مگر یہ خیال بھی بالکل غلط ہے۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے بنانے والے انہی مفسدین میں سے بعض تھے نہ کہ مروان یا کوئی اور شخص، جس کے ثبوت مندرجہ ذیل ہیں:

- یہ لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے جھوٹ سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ بارہا ان لوگوں نے اپنے والیوں کے متعلق جھوٹی شکایتیں کیں اور جب ان کی باقاعدہ تحقیقات کی گئی تو سب کی سب جھوٹی ثابت ہوئیں۔
- ان لوگوں کا اتنی جلدی واپس آ جانا اور ایک ہی وقت میں ایک ساتھ مدینہ میں داخل ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ کام ایک باقاعدہ سوچی سمجھی سازش کے مطابق کیا گیا تھا کیونکہ اہلِ مصر کے بیان کے مطابق انہوں نے قاصد کو جو والیٔ مصر کے نام خط لے کر جا رہا تھا بویب کے مقام پر پکڑا تھا۔ بویب مدینہ سے چھ منزل کے فاصلہ پر ہے اور اس جگہ واقع ہے جہاں سے مصر کا راستہ شروع ہوتا ہے۔ مدینہ سے اہلِ مصر، اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ ایک ساتھ واپس روانہ ہوئے تھے گویا اس وقت تک اہلِ بصرہ اور اہلِ کوفہ بھی چھ چھ منزلیں طے کر چکے ہوں گے۔ اہلِ مصر کے واقعہ کی اطلاع باقی دونوں قافلوں کو کم سے کم بارہ تیرہ دن میں مل سکتی تھی۔ اگر ان کے واپس آنے کے دنوں کو شامل کیا جائے تو کم از کم چوبیس دنوں میں یہ لوگ مدینہ واپس پہنچ سکتے تھے۔ لیکن یہ لوگ چند دنوں کے بعد مدینہ پہنچ گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ پہلے سے ایک منصوبہ بنا کر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے کہ اس تاریخ کو واپس لوٹ کر مدینہ پر قبضہ کر لینا ہے۔ اعتراض سے بچنے

کے لیے انہوں نے جعلی خط بنایا۔ صدقہ کا اونٹ چرا لیا اور کسی غلام کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔

3- یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہے کہ ایک اکیلے آدمی کی رفتار قافلہ کی رفتار سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ قاصد اہل مصر کو بویب کے مقام پر جو مدینہ سے چھ منزل کے فاصلہ پر ہے ملا حالانکہ اس وقت تک اس کو مصر پہنچ جانا چاہیے تھا۔

غرض یہ واقعات بتاتے ہیں کہ خط اور خط لے جانے والے کا واقعہ شروع سے آخر تک من گھڑت تھا۔ انہی مفسدوں میں سے کسی (زیادہ تر گمان یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا رئیس المفسدین) نے ایک خط بنا کر ایک شخص کو دیا اور اس کو ہدایت کی کہ وہ قافلہ کے ساتھ اس طرح چلے کہ لوگوں کے دل میں یہ شک پیدا ہو اور وہ شک کی بنا پر اس کی تلاشی لیں تو خط دیکھ کر ان کو یقین ہو جائے کہ حضرت عثمانؓ نے ان سے (نعوذ باللہ) فریب کیا ہے۔

4- اس خط کے مضمون سے بھی اس کے جعلی ہونے کا پتا چلتا ہے۔ اس خط میں تھا کہ فلاں فلاں کی داڑھی منڈوائی جائے حالانکہ داڑھی منڈوانا اسلام کی رو سے منع ہے اور اسلامی حکومتوں میں صرف اسلامی احکام کے مطابق ہی سزا دی جا سکتی ہے۔ حضرت عثمانؓ یا آپ کے عمال نے اس سے پہلے کبھی کسی کو ایسی سزا نہیں دی۔ پس ایسی سزا کا اس خط میں تحریر ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ خط کسی ایسے شخص نے بنایا تھا جو اسلام کے احکام سے بالکل نابلد تھا۔

5- اگر حضرت عثمانؓ ایسے ہی سخت ہوتے تو دونوں دفعہ جب یہ مفسد آپ کے پاس آئے تھے آپ ان کو گرفتار اور قتل کرا سکتے تھے۔ سب صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے اور انہوں نے آپ کو صلاح دی تھی کہ ان کے ساتھ جنگ کر کے ان کو ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ہمیشہ درگذر سے کام لیا اور ان کو سزائیں نہ دیں جن کے یہ پورے پورے مستحق تھے لیکن اس وقت ان سے نرمی کر کے مصر کے گورنر کو لکھنا کہ ان کو سزا دے ایک بعید از عقل خیال ہے۔

6- مروان پر بھی خط لکھنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ حدود کے قیام میں بہت سخت ہیں وہ ایسا خط لکھ کر آپ کی سزا سے محفوظ رہنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ پھر اگر وہ ایسا خط لکھتا بھی تو کیوں صرف مصر کے والی کے نام لکھتا؟ کیوں نہ بصرہ اور کوفہ والوں کے نام بھی وہ ایسے خطوط لکھ دیتا جس

سے سب مفسدین کا ایک ہی دفعہ خاتمہ ہو جاتا؟ صرف مصر کے والی کے نام ہی خط کا لکھا جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کوفہ اور بصرہ کے قافلوں میں عبداللہ بن سبا جیسا چالاک کوئی نہ تھا۔

7- باوجود اس کے کہ حضرت عثمانؓ نے مطالبہ کیا تھا کہ میرے سامنے گواہوں کو پیش کیا جائے لیکن پھر بھی اس شخص کو سامنے نہیں لایا گیا جس کی نسبت کہا گیا تھا کہ وہ یہ خط لے کر جا رہا تھا۔ اس سے بھی اس امر کا پتا چلتا ہے کہ یہ سب مفسدین کی اپنی کاروائی تھی۔

8- ایک اور امر جس سے اس خط کا صاف جعلی ہونا ثابت ہے' یہ ہے کہ یہ لوگ جعلی خطوط بنانے میں ماہر تھے اور اس واقعہ سے پہلے بھی یہ لوگ فساد کی آگ بھڑکانے کے لیے جعلی خطوط بناتے رہتے تھے۔ ایک علاقے سے دوسرے علاقوں کے لوگوں کو خطوط لکھتے تھے کہ ہم یہاں سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ہمارے عمال ہم پر بہت ظلم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضرت علیؓ کی طرف سے مفسدین کے سرغنے خطوط بنا کر لوگوں کو بھیجتے رہتے تھے جن میں یہ لکھا ہوتا تھا کہ تم لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف جوش دلاؤ اور ان خطوط کے ذریعہ عوام الناس میں جوش پھیلایا جاتا تھا۔

جب ان لوگوں نے واپس آنے پر حضرت علیؓ سے مدد کی درخواست کی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر ان لوگوں نے آپ سے کہا کہ پھر آپ ہم سے خط و کتابت کیوں کرتے تھے؟ حضرت علیؓ نے اس امر سے صاف انکار کیا اور خطوط لکھنے سے لاعلمی ظاہر کی۔ اس پر ان لوگوں کو بھی سخت حیرت ہوئی کیونکہ درحقیقت خود ان لوگوں کو بھی دھوکہ دیا گیا تھا۔

مندرجہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ خط جو حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا گیا تھا' اس کے لکھنے والے حضرت عثمانؓ نہ تھے نہ ہی مروان یا کوئی اور شخص تھا' بلکہ مصری مقابلہ کا ہی ایک فرد تھا' جو بڑی حد تک عبداللہ ابن سبا ہو سکتا ہے۔

حضرت عثمانؓ پر مندرجہ بالا اعتراضات کے علاوہ اور بھی بعض لایعنی اعتراض کیے جاتے ہیں لیکن ہم نے ان میں سے مشہور مشہور اعتراضات ہی کو لیا ہے اور ان کے جوابات دیئے ہیں۔ ان اعتراضات کی روشنی میں دوسرے اعتراضات کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔ اور یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس قسم کے اعتراضات ہوں گے۔

اس سلسلہ میں ایک اہم امر جس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کیا صحابہ کرامؓ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے اور انہوں نے فتنہ کے موقعہ پر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا؟ اکثر

مورخین نے صحابہ کرامؓ پر یہ الزام لگایا ہے کہ بجائے اس کے کہ وُہ اس موقعہ پر اپنے اختلافات کو بھول جاتے اور متحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرتے انہوں نے الٹی حضرت عثمانؓ پر ہی طعن و تشنیع کی بوچھاڑ شروع کر دی اور جب باغیوں نے مدینہ پر قبضہ کر لیا تو کوئی صحابیؓ حضرت عثمانؓ کی مدد کو نہ آیا۔ مولفِ کتاب ہذا نے بھی صحابہ کرامؓ پر لگائے ہوئے اس الزام کو درست تسلیم کیا ہے اور اپنی اس کتاب میں کئی واقعات ایسے بیان کیے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ حضرت عثمانؓ سے سخت ناراض تھے۔ وہ ہر موقعہ پر کھڑے ہو کر آپ پر اعتراضات کرنے لگتے تھے۔ جب آپ سے ملتے تھے تو آپ کے مرتبہ کا لحاظ کیے بغیر آپ سے سخت کلامی کرنے لگتے تھے اور گستاخی کے مرتکب ہوتے تھے اور ان کی ناراضی کا ثبوت یہ بتاتے ہیں کہ اس فتنہ کے موقعہ پر صحابہؓ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور کوئی ایک صحابیؓ بھی آپ کی مدد کو نہ آیا۔

یاد رہے کہ صحابہؓ کے متعلق ایسے قصے گھڑنے والے وہی وقائع نویس اور مورخین ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ پر بھی نہایت لغو اعتراضات کیے ہیں اور ایسی بے سروپا باتیں آپ کے متعلق بیان کی ہیں کہ کوئی ہوشمند اور ذی عقل انسان کسی صورت میں بھی ان کو صحیح ماننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ جب یہ مورخین حضرت عثمانؓ کے متعلق، جو خلیفۃ المسلمین اور نہایت ہی پاکباز اور مطہر انسان تھے ایسی خرافات بیان کر سکتے ہیں تو صحابہ کرامؓ کے متعلق نہیں بیان کر سکتے؟

ہمیں نہایت ہی افسوس سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بعض قدیم مورخین نے محدثین کی طرح روایات لینے میں جرح و تعدیل کا کوئی معیار برقرار نہیں رکھا۔ انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ جس قدر روایات ان کو مل سکیں وہ جمع کر لیں۔ خواہ ظاہری اعتبار سے وہ کتنی ہی ساقط الاعتبار کیوں نہ ہوں اور ان پر بے شمار اعتراضات ہی کیوں نہ ہو سکتے ہوں۔ روایات لینے میں وہ تحقیق و تدقیق کو کام میں نہیں لائے بلکہ جس قسم کی بھی کوئی روایت ملی بلا تامل اور بغیر تحقیق اس کو اپنی کتاب میں درج کر دیا۔

جیسا کہ کتاب پڑھنے سے پتا چل جائے گا مفسدین کی پوری کوشش اس بات کی ہوتی تھی کہ وہ جھوٹی روایات کے ذریعہ سے عام لوگوں کو حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال سے برگشتہ کرتے رہتے تھے۔ حضرت علیؓ کے نام سے جھوٹے خط بنا کر مختلف لوگوں کو بھیجتے رہتے تھے جن میں لکھا ہوتا تھا کہ:

''حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال نے ظلم و تعدی پر کمر باندھ رکھی ہے۔

لوگوں کو چاہیے کہ وہ حضرت عثمانؓ اور عمال سے چھٹکارا پانے کے لیے
عملی جدوجہد کریں اور میں ان کی اس جدوجہد میں ان کے ساتھ ہوں۔"

اسی طرح دوسرے اکابر صحابہؓ کے متعلق بھی وہ لوگوں میں اس قسم کی باتیں پھیلاتے رہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ان پر بہت ظلم توڑ رہے ہیں۔ اس وجہ سے وہ سب آپ کے سخت خلاف ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح وہ آپ کی خلافت اور آپ کے قائم کردہ عمال سے چھٹکارا پائیں۔

ان حالات کی موجودگی میں ہم کیوں نہ اس بات کا یقین کرلیں کہ مورخین نے انہی مفسدین کی پھیلائی ہوئی باتوں اور روایات کو بغیر تحقیق و تدقیق کے قبول کرلیا اور ان کی تحقیق اور تصدیق کیے بغیر ان روایات کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔

قطع نظر ان روایات کے جو صحابہ کرامؓ کے متعلق کتب تواریخ و سیر میں موجود ہیں' ہمیں صحابہؓ کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس امر کو معلوم کرنا چاہیے کہ کیا وہ ایسی باتوں کے مرتکب ہو سکتے تھے یا نہیں؟

اس امر پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آفرینش عالم سے لے کر اب تک کوئی گروہ بھی ایسا نہیں گزرا جو تقویٰ و طہارت اور پاکیزگی کے اس مقام پر پہنچا ہو جس مقام پر صحابہ کرامؓ پہنچے تھے۔ رسول کریم ﷺ کا یہ ایک زبردست معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایسی قوم کو جو وحشیوں سے بھی بدتر تھی اور جس کے عادات و خصائل درندوں سے مشابہ تھے' ایک ایسی قوم بنا دیا جو اپنے اخلاص' صدق و صفا اور تقویٰ و طہارت کی وجہ سے تمام دنیا کے رہبر بن گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت کو بالکل سرد کر دیا تھا اور ان کا ہر عمل خداتعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے اور اس کی رضا و خوشنودی کو حاصل کرنے کے لیے ہوتا تھا۔

خداتعالیٰ نے بھی ان کے اس صدق و صفا کی قدر کی اور رضی اللہ عنہم کا ابدی خطاب ان کو دیا۔ جس خوش قسمت گروہ کو خود خداتعالیٰ رضی اللہ عنہم کا خطاب دے' کیا اس سے کسی طرح بھی کوئی ایسی حرکت سرزد ہو سکتی ہے کہ وہ خلیفہ وقت کی نافرمانی اور اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے پر تل جائے اور اس سے ایسی گستاخی سے پیش آئے کہ ایک معمولی انسان سے بھی اس کی توقع نہ ہو سکے۔ وہ قدسی گروہ جو محض خدا کے دین کو سربلند کرنے کے لیے ہر قسم کی دنیاوی خواہشات سے دستبردار ہو گیا تھا اور اس کام کا بیڑا اٹھانے کی خاطر کسی قسم کا کوئی ظلم نہ تھا جو اس نے اپنے اوپر نہ سہا ہو اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی جو اس نے برداشت نہ کی ہو۔ اس

سے یہ کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کے افراد محض عمال میں ردو بدل اور بعض صحابہؓ کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کرنے کی وجہ سے خلیفہ کے بالمقابل آ گئے ہوں۔ ان کے دلوں میں اس کی طرف سے کینہ اور بغض بھرا ہو اور فتنہ کے اٹھنے کے وقت وہ اس کی مدد سے کنارہ کش ہو گئے ہوں۔

اگر ان باتوں کو جو صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ من ذالک رسول کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت نے ان کے دلوں میں کسی قسم کا بھی تغیر پیدا نہیں کیا بلکہ وہ بھی دوسرے گروہوں اور دوسری قوموں کی طرح محض اقتدار قائم کرنے کے لیے کوشاں رہے اور خلیفہ کے بالمقابل اس وجہ سے کھڑے ہو گئے کہ اس نے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو امورِ سلطنت میں کیوں شریک کر رکھا ہے اور کیوں ان کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے ہیں۔ لیکن اس گروہ پر جس کے متعلق خدا تعالیٰ خود کہے:

رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اور **رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ**

اگر لاکھوں مورخین بھی متفقہ طور پر یہ الزام عاید کریں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ سے ہٹ گئے، تو ان لاکھوں کی باتوں کو خدا تعالیٰ کی ایک بات کے مقابلہ میں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جا سکتی۔

حضرت علیؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت ابوذرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے حالانکہ وہ نہایت پاکباز بزرگ تھے۔ انہوں نے ہر موقع پر اسلام کی عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں، انکے متعلق یہ کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ خلیفہ کی مخالفت اور اس سے بغض و عناد رکھنے کے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے ہوں گے اور محض اس ناراضی میں کہ ان میں سے بعض کو معزول کیوں کر دیا گیا اور بعض کو عہدے کیوں نہیں دیے گئے۔ انہوں نے عین اس موقع پر خلیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا جبکہ خلیفہ کا شہید ہونا صرف ایک فرد کا مارا جانا نہ تھا بلکہ تمام عالم اسلام کے لیے ہمیشہ کے واسطے فتنہ کا باعث تھا۔

کتب تواریخ وسیر میں حضرت عثمانؓ کے متعلق ان بزرگوں کی طرف جو اعتراضات منسوب کیے جاتے ہیں ان کا باطل ہونا ذرا سے غور وفکر اور تدبر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ تیرہ سو برس بعد پیدا ہونے والے انسان تو عقل سے کام لے کر ان اعتراضات

کے باطل ہونے پر یقین کر لیتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ جن کے سامنے تمام واقعات رونما ہو رہے تھے' بے دھڑک ان الزامات پر ایمان لے آتے ہیں' اور نہ صرف ایمان لے آتے ہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے سامنے ان کو پیش بھی کرتے ہیں اور پھر یہ بھی کتنی عجیب وغریب بات ہے کہ وہ خود حضرت عثمانؓ پر الزامات لگاتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ مسجد میں کھڑے ہو کر اپنے اوپر عائد کردہ الزامات کی تردید کرتے ہیں اور صحابہؓ سے اپنی بات کی تصدیق چاہتے ہیں تو سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کی تصدیق کرنے والے اور ان کو الزامات سے بری قرار دینے والے وہی لوگ تھے جو پہلے ان کو ان الزامات سے ملوث قرار دے چکے تھے۔

پھر کیا ہی عجیب بات ہے کہ جب بلوائیوں نے تمام مدینہ پر قبضہ کر کے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے اپنے لڑکوں کو بھیجنے میں سب سے پیش پیش حضرت علیؓ' حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تھے جن کے متعلق الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے اشد ترین دشمنوں میں سے تھے۔ پھر کیا یہی طلحہؓ زبیرؓ، عائشہ صدیقہؓ، اور عمروؓ بن العاص نہیں تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کا قصاص لینے کی آواز بلند کی؟ کیا کسی دشمن کا بھی قصاص طلب کیا جاتا ہے؟ پھر کیا یہ حضرت علیؓ ہی نہیں تھے جنہوں نے بلوائیوں کو سمجھانے اور حضرت عثمانؓ کے گھر پانی پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور جب وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو اپنا عمامہ اپنے سر سے اتار کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں پھینک گئے تاکہ آپ کو پتا چل جائے کہ انہوں نے حتی المقدور کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر کیا صحابہؓ نے ہر موقع پر حضرت عثمانؓ کی تصدیق نہیں کی؟ کیا بار بار حضرت عثمانؓ کو نہیں سمجھایا کہ آپ ان مفسدین سے نرمی کا برتاؤ نہ کریں بلکہ ان کو عبرت ناک سزائیں دیں؟ کیا اپنے دشمن کو بھی کوئی شخص ایسا مشورہ دے سکتا ہے؟

رہا یہ امر کہ صحابہ نے بلوائیوں کے حملہ کے وقت حضرت عثمانؓ کی مدد کیوں نہ کی اور کیوں اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ باغیوں نے جس طریقہ سے مدینہ پر قبضہ کیا تھا اس نے صحابہؓ کے لیے کوئی موقع ہی نہ چھوڑا تھا کہ وہ باغیوں کے مقابلہ میں آتے۔ مفسدین نے یک دم بغیر کسی اطلاع کے مدینہ پر قبضہ کر لیا اور اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بھی ہتھیار لے کر باہر نہ نکلے۔ جو باہر نکلے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ایسے موقعہ پر منظم مقابلہ آخر کس طرح ہو سکتا تھا؟ لیکن باوجود اس کے صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ سے باغیوں کے خلاف لڑنے کی اجازت چاہی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کسی طرح بھی لڑائی پر راضی نہ ہوئے اور آپ

نے فرمایا کہ میری جان بچانے کی خاطر اسلام میں تلوار کشی اور خونریزی نہ کرو۔ لیکن اس کے باوجود صحابہ حضرت عثمانؓ کی مدد سے غافل نہ رہے۔ اکابر صحابہؓ نے اپنے اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے بھیج دیا اور خود مفسدین کو سمجھانے بجھانے میں لگ گئے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا' مگر خدائی تقدیر کو کون روک سکتا ہے۔ باوجود صحابہؓ کی کوششوں اور ان کے بیٹوں کے مقابلہ کے حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔

کیا ان امور کی موجودگی میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر حضرت عثمانؓ کی مخالفت کرنے اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے؟ صحابہ کرامؓ پورے طور پر حضرت عثمانؓ کے وفادار تھے اور آپ کو چھوڑ دینے کا خیال ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے دلوں میں نہیں آ سکتا تھا۔ صحابہؓ کو حضرت عثمانؓ کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ آخر دم تک وفاداری سے کام لیتے رہے اور جبکہ کسی قسم کی مدد کرنی بھی ان کے لیے ناممکن تھی تب بھی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر آپ کی حفاظت کرتے رہے۔ ان فسادات میں حضرت عثمانؓ کے انتخاب ولاۃ کا بھی کچھ دخل نہ تھا اور نہ گورنروں کے مظالم اس کے باعث تھے کیونکہ ان کا کوئی ظلم ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، اور حضرت زبیرؓ پر خفیہ ریشہ دوانیوں کا الزام بھی بالکل غلط ہے۔ ان تینوں اصحاب نے اس وفاداری اور اس ہمدردی سے اس فتنہ کے دور کرنے میں سعی کی کہ سگے بھائی بھی اس سے زیادہ تو کیا اس کے برابر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ انصار پر جو الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے' وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انصار کے سب سردار اس فتنہ کو دور کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

فساد کا اصل باعث یہ تھا کہ دشمنان اسلام نے ظاہری تدابیر سے اسلام کو تباہ نہ ہوتے دیکھ کر خفیہ ریشہ دوانیوں کی طرف توجہ کی اور بعض اکابر صحابہؓ کی آڑ لے کر چپکے چپکے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہا۔ سزا یافتہ مجرموں کو اپنے ساتھ ملایا۔ لٹیروں کو تحریص دلائی۔ جھوٹی مساوات کے خیالات پیدا کر کے انتظام حکومت کو کھوکھلا کیا۔ مذہب کے پردہ میں لوگوں کے ایمان کو کمزور کیا اور ہزاروں حیلوں اور تدبیروں سے ایک جماعت تیار کی۔ پھر جھوٹ' جعل اور فریب سے کام لے کر ایسے حالات پیدا کر دیے جن کا مقابلہ کرنا حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کے لیے مشکل ہو گیا۔

ABNIPT اس زمانہ کی تاریخ کے متعلق بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ

میں زمانہ کے بعد کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جو ایک یا دوسرے فریق سے ہمدردی رکھنے والوں سے خالی ہو اور یہ بات تاریخ کے لیے نہایت مضر ہوتی ہے کیونکہ جب سخت عداوت یا ناواجب محبت کا دخل ہو تو روایت کبھی بعینہٖ نہیں پہنچ سکتی۔ اگر راوی جھوٹ سے کام نہ بھی لیں تب بھی ان کے خیالات کا رنگ روایت پر ضرور چڑھ جاتا ہے اور پھر تاریخ کے راویوں کے حالات ایسے ثابت شدہ بھی نہیں ہیں جیسے کے احادیث کے ہیں۔ پس اس معاملہ میں بہت احتیاط اور جرح وتعدیل کی ضرورت ہے۔

اس سلسلۂ واقعات کو مدِنظر رکھنے کے بغیر کسی زمانہ کی تاریخ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکتی۔ تاریخ کی تصحیح کا یہ زرّیں اصول ہے کہ واقعات عالم ایک زنجیر کی طرح ہیں کسی منفرد واقعہ کی صحت معلوم کرنے کے لیے اسے زنجیر میں پرو کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کڑی ٹھیک اپنی جگہ پر پروئی بھی جاتی ہے یا نہیں۔ غلط اور صحیح واقعات میں تمیز کرنے کے لیے یہ ایک نہایت ہی کارآمد بات ہے۔

اس کتاب کی ترتیب میں مولف نے کافی محنت اٹھائی ہے اور بیسیوں کتابوں کی چھان بین کر کے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں ان سب کتابوں کے نام درج کر دیئے گئے ہیں جن سے مولف نے مدد لی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے متعلق جو جو رائیں مولف کو مل سکیں، وہ اس نے اس میں درج کر دیں تاکہ لوگوں کو پتا چل سکے کہ آپ کے متعلق لوگوں کے خیالات کیا کیا ہیں اور مورخین نے کس کس نہج پر واقعات کو بیان کیا ہے اور ان سے کیا کیا نتیجے نکالے ہیں؟ لیکن سب سے بڑی کمی جو اس کتاب میں رہ گئی ہے وہ یہی کہ مولف نے اس میں اپنی رائے کو بہت کم دخل دیا ہے اور اس بات کی بہت کم کوشش کی ہے کہ مختلف آراء کو ملا کر ان سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہو وہ کھول کر لکھ دیں۔ حضرت عثمانؓ اور صحابہؓ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے بڑے بڑے اعتراضات کے جوابات میں نے اس تمہید میں دے دیئے ہیں اور کتاب کے دوران میں بھی جہاں کہیں ایسے مواقع آئے ہیں حاشیے میں ان کی وضاحت کرنے یا جواب دینے کی کوشش کی ہے تاکہ ناظرین کے سامنے تصویر کا صرف ایک ہی رخ نہ آئے بلکہ وہ دوسرے پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھ کر غور وفکر کر سکیں۔

میں نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ جو الجھنیں پڑھنے والوں کو اس کتاب میں پیش آئیں ان کو دور کر دوں۔ خدا کرے۔ یہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوا ہوں۔

محمد احمد پانی پتی

مقدمہ مؤلف

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو فتنہ اٹھا وہ ایسا تھا کہ اس کے افسوسناک نتائج آج تک امتِ محمدیہ کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ وحدتِ اسلامی پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ امتِ محمدیہ سینکڑوں فرقوں میں بٹ چکی ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے ممالکِ اسلامیہ کی اپنی ذاتی آزادی بھی بہت حد تک سلب ہو چکی ہے۔ اس فتنہ کے اسباب و نتائج کے متعلق متقدمین میں باہم شدید اختلاف ہے لیکن ان سب سے ہٹ کر ہم نے اس کے بارے میں بالکل جدید طرز سے بحث کی ہے اور ایک نئے طریقہ سے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

اس عہد کی تاریخ لکھنا اور اس پر بحث کرنا کوئی آسان کام نہیں، وہ شخص جس کو تاریخ لکھنے کا اہم کام سپرد کیا جائے اس کا فرض ہے کہ وہ یہ نہ دیکھے کہ لوگ کیا کہتے ہیں اور ان کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے یا اس کا مختلف افراد اور جماعتوں پر کیا اثر پڑے گا، بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے قارئین کے سامنے وہی واقعات پیش کرے جن کے متعلق اس کو یقین واثق ہو کہ وہ ٹھیک اور درست ہیں خواہ ان واقعات کے بیان کرنے سے لوگ خوش ہوں یا ناراض، خواہ اس کی رائے قارئین کی رائے کے مطابق ہو یا اس کے خلاف۔ ایسا کرنے میں اس کو بہت ہی پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اسے اپنے لیے ایک ایسی راہ متعین کرنی پڑتی ہے جو حدِ اعتدال کے اندر اور حقیقی واقعات کے بالکل مطابق ہو۔

اسی اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے اپنی کتاب میں اپنے لیے دوسرے تمام مورخین سے الگ ایک راستہ مقرر کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ اس فتنہ کی حقیقی تصویر قارئین کرام کے سامنے کھینچ دیں تاکہ ان کو اس عہد کے سیاسی اور اجتماعی واقعات سے پوری پوری آگاہی ہو جائے اور وہ تاریخ اسلام کے اس پُرآشوب زمانہ کی مختلف جماعتوں اور گروہوں کے متعلق اس طرح مفصل معلومات حاصل کر سکیں کہ ان واقعات پر یکجائی نظر ڈالتے ہی فتنہ کے اصل اسباب کی تہہ تک پہنچ جائیں۔

ہمیں اس امر سے انکار نہیں کہ ہم نے جہاں تک ہمارے امکان میں تھا حضرت عثمانؓ کو ان الزامات سے بری کرنے کی کوشش کی ہے جو مختلف گروہوں اور لوگوں کی طرف سے ان پر لگائے جاتے ہیں۔ بشری کمزوریاں ہر انسان میں ہوتی ہیں اور ان سے کوئی فرد بشر خالی نہیں۔ حضرت عثمانؓ میں بھی کمزوریاں ہوں گی لیکن اس امر میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عثمانؓ

نے اسلام کی شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔ آپ نے اسلام کی خدمت کرنی اس وقت بھی ترک نہ کی جب آپ پر برے دن آ چکے تھے اور ہر طرف سے مصیبتوں کے پہاڑ آپ پر ٹوٹ رہے تھے۔

رسول کریم ﷺ اور اسلام سے آپ کی یہ قدیم الفت و محبت ہی تھی جس کی وجہ سے آپ کی دردناک موت کے وقت اس زمانہ کے لوگوں میں انتہائی درجہ کا حزن و ملال اور رنج و الم پیدا ہوا اور آج بھی جب ہم ان واقعات کو پڑھتے ہیں تو انتہائی درجہ کا رنج و الم ہماری روحوں پر مسلط ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کو بہت بری طرح شہید کیا گیا۔ مفسدین نے اپنے انتقام کی پیاس بجھانے کے لیے ہر طرح کی کمینگی کا مظاہرہ کیا۔ تین روز تک کوئی شخص بھی آپ کو دفن کرنے کی جرات نہ کر سکا اور کسی کو بھی آپ کے فضائل اور آپ کے اعمال صالحہ کا پاس نہ ہوا۔ رنج اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ مورخین اور غیر مورخین آپ کی اس دردناک شہادت پر بالکل خاموش ہیں اور اسی سال تک انتہائی پاکیزہ زندگی بسر کرنے اور تمام عمر رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی بے لوث خدمات کو دیکھتے ہوئے ان سے یہ نہ ہو سکا کہ اگر بالغرض محال حضرت عثمانؓ سے بعض کمزوریاں صادر ہو بھی گئی تھیں تو ان کی توجیہات کر لیتے اور ان پر عفو و درگزر کا پردہ ڈال دیتے۔

ہم لوگ جو چاہتے ہیں کہ اپنی قومی میراث کی' چاہے قدیم ہو یا جدید' عزت و توقیر کریں تو ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے بزرگوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اگر واقعات ہمیں اس بات کی اجازت دیں تو ان کو ان کی غلطیوں پر متہم کرنے کی بجائے ان کی توجیہات کر لیں تاکہ یہ قدیم واقعات کہیں ملت اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا سبب نہ بن جائیں اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم اس مسئلہ کا بنظر انصاف جائزہ لیں تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ خلفاء میں سے ایک خلیفہ پر اس کی رعیت کے بعض لوگ ناراض ہو گئے' بعض اپنے دل میں اس کے متعلق برے ارادے لیے ہوئے تھے اور بعض کے دلوں میں برے ارادے تو نہیں تھے لیکن وہ ان لوگوں کے پیچھے لگ گئے تھے جو مفسدہ پرداز تھے۔ اس کے بعد وہ خلیفہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے شہید کر دیا۔ اس پر ہم یہی حکم لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے انتہائی قابل شرم حرکت کی۔ اب وہ سب خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہیں وہ جو چاہے ان سے معاملہ کرے۔ ان حالات میں جب کہ واقعات میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے کیا یہ مناسب نہیں

کہ ہم محض یقینی باتوں کو بیان کردیں اور مشتبہ واقعات و اشخاص کے متعلق بحث نہ کریں، جن کو گزرے ہوئے عرصہ گزر چکا ہے اور جن کے متعلق کوئی یقینی بات ہمیں معلوم نہیں۔

قارئین کرام دیکھیں گے کہ ہم نے اس کتاب میں فتنہ کے سرغنوں اور سرکردہ باغیوں کی تائید نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم مورخین نے حضرت عثمانؓ کے والیوں کی غلطیوں کے بارے میں بہت ہی زیادہ اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے جو ان کے متعلق مورخین میں پیدا ہوا ہے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جب ہم کو ان کے متعلق کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہے تو جہاں تک ہو سکے ہم ان والیوں کی غلطیوں کی توجیہہ کریں۔ کیونکہ اگر شک کی بنا پر ایک مجرم اور قاتل کو بھی بری کیا جا سکتا ہے تو ان عمال اور گورنروں کو کیوں نہیں کیا جا سکتا جن کے بارے میں قدیم مورخین کی بڑی بڑی ضخیم کتب میں اختلاف کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن ان کو بالکل بری الذمہ اور ہر قسم کے الزامات سے پاک و صاف بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر وہ ایسے ہی عقلمند ہوتے اور ان کی سیاست نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی ہوتی تو ان کے علاقوں میں بالکل سکون رہتا اور یہ مفسد اور فتنہ پرداز کبھی لوگوں کو بغاوت پر اکسانے اور مدینہ چل کر خلیفۃ المسلمین سے ان کی شکایتیں کرنے پر آمادہ نہ کر سکتے۔

عبداللہ بن سبا مصر، کوفہ اور بصرہ میں تو اپنا زہر پھیلا دیتا ہے لیکن دمشق اور شام میں اس کو ایسا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اگر حضرت عثمانؓ کے تمام والی حضرت معاویہؓ کی طرح عقلمند اور بہترین سیاستدان ہوتے تو کبھی اس مخلوق کو یہ موقع نہ دیتے کہ وہ امتِ محمدیہ میں اس طرح فساد کا بیج بو دیتی۔ اگر وہ ایسے ہی عقلمند ہوتے تو بیماری کو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی ملیا میٹ کر دیتے اور فساد پیدا ہوتے ہی اس کی جڑ کو اکھاڑ پھینکتے۔ لیکن انہوں نے سستی برتی اور اس طرف پوری توجہ نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ پورے زور و شور سے اٹھا۔ مدینہ کا محاصرہ ہوا اور آخر میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی یہی رائے رکھتے تھے چنانچہ جب مفسدین نے آپ پر زور ڈالا کہ آپ اپنے عمال کو برطرف کر دیں تو آپ نے یہ دیکھ کر کہ وہ کوئی قابل مواخذہ بات نہیں کرتے اور نہ انہوں نے امن عامہ میں خلل ڈالا ہے (سوائے ولید کے معاملہ کے کہ جو کچھ اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ سچ تھا) یہ مناسب نہ جانا کہ انہیں ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا جائے۔ اگرچہ ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ کو جیسا کہ مشہور ہے، اپنے اعزہ و اقربا سے بہت محبت تھی، آپ ان سے احسان کا سلوک کرتے اور ان

کو ملک کی خدمت کے مواقع بہم پہنچاتے رہتے تھے لیکن ہماری نظر میں یہ کوئی ایسا جرم نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے بلادِ اسلامیہ میں بغاوت پھیلانا' مدینہ پر حملہ کرنا اور خلیفہ کو شہید کرنا جائز سمجھا جائے۔ اسی امر نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم اپنی اس کتاب میں فتنہ کے سرغنوں کے متعلق سخت رویہ اختیار کریں۔ ہمیں کوئی ایسی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم ان کے فتنہ و فساد کو خلیفہ کے خلاف بغاوت کو' اور اس طرح ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کرنے کو کسی صورت میں بھی جائز قرار دے سکیں۔ یہ فتنہ اتنا دُور رس ثابت ہوا کہ تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی آج تک اس میں ویسی ہی تازگی پائی جاتی ہے جیسی اس کے رونما ہونے کے وقت تھی۔ مورخین نے اندازہ کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد سے لے کر آج تک لڑائیوں اور فتنہ و فساد میں لاکھوں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو چکی ہیں اور فتنہ و فساد کا یہ دروازہ ابھی تک بند نہیں ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے اس فتنہ کے رونما ہونے کے وقت رومی خود کمزوری کی حالت میں نہ ہوتے تو ضرور وہ شام کے اسلامی علاقے پر حملہ کر دیتے اور آن کی آن میں اسے فتح کر لیتے۔

ہم نے یہ دکھانے کی خاطر کہ حضرت عثمانؓ کی سیاست اور اس فتنہ کے اسباب کے متعلق مختلف مورخین کے کیا کیا خیالات ہیں' اختصار کے ساتھ ان کی آراء اور ان کے اقوال بھی درج کر دیے ہیں لیکن جہاں جہاں ہم نے اس فتنہ کے اسباب پر بحث کی ہے وہاں درمیانی راستہ اختیار کیا ہے اور بحث میں حد اعتدال کے اندر رہنے کی کوشش کی ہے کیونکہ نفرت زدہ دلوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا یہی ایک ذریعہ ہے اور اگر ہم حقیقی آزادی کی لذتوں سے بہرہ ور ہونا اور اپنے لیے ایک شاندار مستقبل وضع کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایسے طریقوں سے کلیتہً اجتناب کرنا پڑے گا جن سے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت و حقارت بڑھے اور امت کا شیرازہ بکھر جائے۔

ان سطور کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم پرانی تقلیدوں اور گمراہ کن راستوں کو بالکل ترک کر دیں۔ اس بھڑکتی ہوئی دوزخ اور اس اختلاف عظیم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور اپنی زندگیوں کے لیے ایک ایسا لائحہ عمل تجویز کریں جو گزشتہ صدیوں کی زندگیوں سے بالکل مختلف ہو۔ ہم اپنے قابل رشک آباؤ اجداد کی زندگیوں کو اپنے آئندہ اور شاندار مستقبل کی بنیاد رکھنے کے لیے مشعل راہ بنائیں ہمیں اپنے نوجوانوں سے یہ کہتے ہوئے کوئی باک نہیں ہے کہ یہ بات ان کے لیے انتہائی شرم کا موجب ہوگی اگر وہ دنیا سے اس حال

میں رخصت ہوں کہ کسی قسم کی خیر، بھلائی اور نیک ذکر اپنے پیچھے چھوڑ کر نہ جائیں، بلکہ ہمیں یہ اصول ہر وقت اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے کہ

اس طرح جی کہ بعد مرنے کے
گاہ کوئی نہ کوئی یاد کرے

ہمیں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ ہم اس وقت تک کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے جب تک ہمارا بچہ بچہ بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنی چاہیے۔ ایک ٹھوس اور سیسے کی پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح بن کر دنیا کے سامنے آنا چاہیے۔ ہم میں سے ہر شخص کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ وہ وطن کا سپاہی ہے اور ایک سپاہی کے لیے یہ بات انتہائی ننگ کا باعث ہے کہ وہ شکست کھا جائے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔ آج ہمارے لیے جو معرکہ درپیش ہے وہ اقوام عالم کے درمیان اپنی صحیح حیثیت اور پوزیشن قائم کرنا ہے۔ اس کے لیے ہم سب کو اتحاد اور تنظیم کے ساتھ مسلسل کام کرنا پڑے گا تا کہ ہم ایک بار پھر روئے زمین پر اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑ سکیں۔

۴ شعبان ۱۳۵۴ھ

۳۰ جنوری ۱۹۳۵ء　　　　　　عمر ابوالنصر

(1)

مجلسِ مشاورت

23ھ (644ء) کی ایک صبح عالم اسلام کے دارالخلافہ مدینہ میں زبردست ہیجان بپا تھا۔ سارے شہر پر رنج و غم کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہر شخص اضطراب کے عالم میں مسجد نبوی کی طرف بھاگا چلا جا رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ اس وقت کے سب سے بڑے انسان اور حضور ﷺ کے خلیفہ کو ____ جس کی ہیبت و جلال سے قیصر و کسریٰ کے تخت لرزہ براندام تھے ____ ایک مجوسی غلام نے، فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے خنجر مار کر زخمی کر دیا تھا۔

مدینہ کی زندگی ان دنوں بہار در آغوش تھی۔ وہاں دم بدم شام، مصر اور ایران کی فتح کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ مدینہ والے جب اپنے سپوتوں، اپنے نوجوانوں اور بوڑھوں کے محیر العقول کارنامے سنتے کہ کس طرح انہوں نے روئے زمین کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالا اور کس طرح پرہیبت اور پرشکوہ بادشاہتوں کو پلک جھپکتے میں زیر و زبر کر دیا، تو انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اس وقت عالمِ حقیقت میں نہیں بلکہ خوابوں کی دنیا میں ہیں۔ مجاہدین اسلام تائیدِ ایزدی سے ہر لحہ بہرہ یاب ہو رہے تھے اور فتح و ظفر، لونڈی غلاموں کی طرح ان کے آگے آگے چل رہی تھی۔

ان دنوں مدینہ والوں کا معمول ہوگیا تھا کہ ان کی اکثریت قاصدوں کی زبانی، لڑائیوں کے حالات اور فتح کی خوش خبری سننے کے لیے شہر کے باہر مضافات میں چلی جاتی اور جب کوئی قاصد نظر آ جاتا تو شوق اور بے تابی کے ساتھ اس کی طرف لپکتی۔ ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی کہ سب سے پہلے وہی خبر سنے، انہیں کامل یقین ہوتا کہ قاصد فتح و ظفر کی نوید کے سوا اور کوئی خبر لا ہی نہیں سکتے۔ اس پر بھی ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ بار بار فتح کی خبریں سنتے لیکن سیر نہ ہوتے تھے۔

غرض مدینہ کے باشندوں کا اس زمانہ میں عجیب عالم تھا۔ وہاں کی زندگی بڑی روح پرور اور راحت افزا تھی۔ ہر چھوٹے بڑے کو اطمینانِ قلب حاصل تھا۔ عدل و انصاف کے بارے میں وہ زمانہ ہمیشہ کے لیے ضرب المثل بن چکا ہے۔ حق و صداقت کے جو مظاہرے اس وقت دنیا نے دیکھے ان کی نظیر لانے سے زمانہ اب تک قاصر رہا اور شاید ہمیشہ قاصر رہے۔

جس زمانہ کا یہ ذکر ہے وہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کلیتہً وقف تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں آپ کو اپنی جان کا بھی ہوش نہ رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو آنے والی رات اہلِ مدینہ کے لیے ایک مہیب ترین خونیں رات تھی۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو ان کی آنکھوں سے امڈا چلا آتا تھا۔ ایک ناقابلِ بیان اضطراب تھا جو ان کے دلوں پر محیط ہو چکا تھا۔ ان کو کسی بات کی سدھ نہ تھی اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا؟

خلافت کا جو رعب اور دبدبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قائم کیا تھا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس زمانہ میں رعایا کے حکومت سے اور حکومت کے رعایا سے جو حیرت انگیز خوشگوار تعلقات تھے وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ آپ اپنے فرائض خلافت کی انجام دہی میں جتنے سرگرم عمل تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ ان ذمہ داریوں کے شدید احساس سے جن کا بارِ خلافت کے منصبِ عظیم نے آپ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا' آپ ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے کہ مبادا آپ کے قدم غلط راستے پر پڑ جائیں اور اس طرح خدانخواستہ ملک و قوم کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ عدل و انصاف کے قیام' مظالم کی روک تھام اور حدود شریعت کی نگہداشت کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

جب آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور صحابہؓ نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ایک ایسے آدمی کو مقرر فرمادیں جو آپ کے بعد خلافت کا بار اپنے دوش پر اٹھائے تو آپ نے اس معاملہ پر غور کیا لیکن آپ کی نظر میں کوئی ایسا آدمی نہ بچا جو اس بارِ عظیم سے عہدہ برآ ہونے کی پوری پوری قابلیت رکھتا ہو' جو ہر قسم کے پیش آمدہ خطرات کا استقلال کے ساتھ مقابلہ اور ملک پر پوری طاقت سے کنٹرول کر سکتا ہو۔ رہ رہ کر ان کی نظر حضرت علیؓ پر پڑتی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر صحابہؓ میں سے کسی شخص کو یہ عہدہ تفویض کیا جا سکتا ہے تو وہ علیؓ ہیں۔ مگر حضرت علیؓ کے دل میں اہلِ بیت کی جو غیر معمولی وقعت تھی اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں میرے بعد علیؓ بنی ہاشم کو عامتہ المسلمین کے سروں پر مسلط نہ کر دیں اور حکومت جو جمہور کا حق ہے وہ بنی ہاشم ہی میں محدود ہو کر نہ رہ جائے اور اس طرح ایک ایسی فضا قائم ہو جائے جس کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں وجود تک نہ تھا۔

انتہائی غور و فکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ خلافت کسی ایک شخص کو تفویض نہیں کرنی چاہیے۔ یہ حق ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے جنہوں نے رسولِ کریم ﷺ کا

بابرکت زمانہ پایا اور جن میں سے اکثر نہایت زیرک اور معاملہ فہم تھے۔ وہ فیصلہ کریں کہ اس عہدہ کا مستحق صحیح معنیٰ میں کون ہے؟

حضرت عمر فاروقؓ کی دلیل یہ تھی کہ رسولِ کریم ﷺ اپنا کوئی جانشین مقرر کیے بغیر وفات پا گئے۔ صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنا خلیفہ چن لیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ دفات پانے لگے تو انہوں نے صحابہؓ کے مشورہ سے حضرت عمر فاروقؓ کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا تو عمرؓ کو یہ حق کیوں حاصل نہیں کہ وہ خلافت کو کسی ایک شخص تک محدود نہ رکھے بلکہ اس کو مشورہ کے لیے ایک مجلس کے سپرد کر دے اور وہ مجلس یہ فیصلہ کرے کہ کون شخص خلافت کا حقدار ہے۔ اس طرح اس کو رسولِ کریم ﷺ کی اس سنت پر عمل کرنے کا موقعہ بھی مل جائے گا کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد کسی خاص شخص کو خلافت کے لیے مقرر نہیں فرمایا بلکہ اس معاملہ کو جمہور پر چھوڑ دیا۔

بیشک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب صحابہؓ میں سے عمرؓ کو اس کام کا پوری طرح اہل سمجھا اور ان کو نامزد کر دیا لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کی نظروں میں اس اہم ترین عہدہ کے لیے موزوں ہو۔ بے شک حضرت علیؓ کو باقی صحابہؓ پر فوقیت حاصل تھی' لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے' اہلِ بیت کے متعلق' اپنے قبیلہ بنو ہاشم کے متعلق اور والیِ سلطنت کے حقوق و اختیارات کے متعلق ان کے خیالات ایسے تھے جن سے حضرت عمرؓ متفق نہ ہو سکتے تھے۔ لہٰذا اس وقت بہترین طریقہ آپ کو یہی نظر آیا کہ مسلمانوں کو اس امر میں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس کو چاہیں خلافت کے لیے چن لیں۔

جب حضرت عمر فاروقؓ اپنی رائے کے تمام پہلوؤں کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو آپ نے صحابہؓ اور قریش کے معزز اشخاص کو بلا کر کہا:

''ان اصحابؓ کے متعلق رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ جنتی ہیں:

۱۔ علیؓ بن ابی طالب

۲۔ عثمانؓ بن عفان

۳۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف

۴۔ سعدؓ بن ابی وقاص

۵۔ زبیرؓ بن العوام

۶۔ طلحہؓ بن عبیداللہ

تم آپس میں مشورہ کر کے ان میں جس شخص کو چاہو خلافت کے لئے چن لو اور جو شخص خلیفہ منتخب ہو جائے خلوص و نیک نیتی کے ساتھ اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس کی مدد کرو۔ خلیفہ بننے والے شخص کو میری نصیحت یہ ہے کہ جس کے سپرد یہ امانت کی جائے وہ اس امانت کا حق بطریق احسن ادا کرے۔"

اسی وقت حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب حضرت علیؓ سے ملے اور ان سے کہا: "میری رائے یہ ہے کہ تم مجوزہ چھ آدمیوں کی کمیٹی میں شامل نہ ہو۔"

حضرت علیؓ نے جواب دیا: "میری یہ مجال نہیں ہے کہ میں خلیفہ وقت کے احکام ٹھکراؤں اور وہ مجھ سے جو توقع رکھتے ہیں اس کے خلاف کروں۔"

اس پر حضرت عباسؓ نے ان سے کہا: "تمہاری مرضی۔ لیکن اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہ نکلے گا اور آخر الامر تمہیں نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

حضرت عباسؓ کی حضرت علیؓ کو یہ نصیحت ذرا تفصیل اور تشریح کی محتاج ہے۔ حضرت عباسؓ نہایت زیرک' دانا اور معاملہ فہم انسان تھے۔ جو بات کہتے تھے پورے سوچ و بچار کے ساتھ اور حالات پر نگاہ رکھتے ہوئے کہتے۔ اگر انہیں یہ محسوس نہ ہوتا کہ قوم حضرت علیؓ کو نظر انداز کر کے کسی دوسرے شخص کو اپنا امیر اور حاکم بنا لے گی تو وہ کبھی حضرت علیؓ سے یہ بات نہ کہتے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر مجلس شوریٰ نے باہم فیصلہ کر کے کسی دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا اور حضرت علیؓ بھی اس مجلس شوریٰ کے ممبر ہوئے تو یہ براہ راست ان پر ایک حملہ ہوگا اور اس بات کا ثبوت کہ مجلس شوریٰ کے ارکان حضرت علیؓ کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ وہ بار خلافت کو اپنے کندھوں پر اٹھائیں۔ اس وقت یہ بات حضرت علیؓ کے لیے انتہائی رنج والم کا باعث ہوگی۔ لیکن اگر وہ اس مجلس سے علیحدگی اختیار کر لیں اور صحابہ حضرت علیؓ کے علاوہ کسی اور شخص کو منتخب کر لیں تب معاملہ کی صورت اور ہو جائے گی۔ اس صورت میں نہ حضرت علیؓ کی طرف سے کھلم کھلا ایثار کا اظہار ہوگا نہ صحابہؓ پر صاف طور سے جانب داری کا الزام لگایا جا سکے گا اور نہ اس وقت حضرت علیؓ ہی کو شدید رنج و الم سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اسی لیے حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے لیے احتیاط اسی میں سمجھی کہ وہ مندرجہ بالا طریق اختیار کریں اور مجلس شوریٰ میں شامل

ہونے کا فیصلہ کر لیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔(1)

جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت سعدؓ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیرؓ بن العوام کو بلایا اور ان سے کہا کہ میں نے بہت کچھ غور وفکر کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تم لوگ عوام الناس میں امتیازی حیثیت کے مالک ہو۔ اس معاملہ کا فیصلہ اب مل جل کر تمہیں کو کرنا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ اپنی وفات کے وقت تم سب سے خوش تھے۔ اگر تم درست فیصلہ کرو اور لوگ اس کی مخالفت کریں تو مجھے اس کا ڈر نہیں لیکن اگر اندیشہ ہے تو اس بات کا کہ کہیں تم ہی آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنے لگو اور تمہاری دیکھا دیکھی عوام الناس بھی مختلف دھڑوں میں بٹ جائیں اور علیحدہ علیحدہ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں۔ تم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں چلے جاؤ' وہاں آپس میں مشورہ کرو اور اپنے میں سے کسی آدمی کو خلیفہ منتخب کر لو۔

کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مشورہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں نہیں بلکہ کسی قریبی جگہ کیا جائے تا کہ انہیں جلد جلد حالات کا علم ہوتا رہے اور ضرورت پڑے تو مشاورتی مجلس ان سے بھی مشورہ کر سکے۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ان کا اس دوران انتقال ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ تین روز تک مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ اس عرصہ میں صہیبؓ (رومی غلام) امامت کے فرائض سرانجام دیں گے۔(2) لیکن بغیر خلیفہ کے چوتھا روز نہ ہونے پائے۔ عبداللہ بن عمرؓ کو شریک مشورہ کیا جائے لیکن وہ خلیفہ نہیں بنائے جا سکتے۔(3) طلحہؓ

(1) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت عباسؓ کی رائے سے اس لیے اتفاق نہیں کیا کہ نہ ان کو ایک لحہ کے لیے خلافت کی آرزو پیدا ہوئی تھی اور نہ ان کی نیک اور صالح طبیعت ایک منٹ کے لیے یہ گوارا کر سکتی تھی کہ خلیفہ وقت کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے۔ خواہ اس کے نتیجہ میں ان کی اپنی ذات کو نقصان پہنچے۔ حضرت علیؓ وہ مقدس انسان تھے جس نے آنحضرت ﷺ کی گود میں پرورش پائی تھی۔ پس کس طرح ممکن ہے کہ ایسا شخص خلافت کا متمنی ہو۔ یا اس کے دل کے کسی گوشے میں خلیفہ کے حکم سے انحراف کا خیال پیدا ہو۔

(2) اسلام نے غلاموں کو جو اسلام سے پہلے بدترین مخلوق سمجھے جاتے تھے جس بلند اور اعلیٰ درجہ پر پہنچایا یہ واقعہ اس کی ایک روشن مثال ہے۔ کہ ایک رومی غلام کو خلیفہ اسلام نے تمام معززین قریش کے مقابلہ میں امام الصلوۃ مقرر فرمایا مگر کسی ایک نے بھی چوں نہیں کی اور برابر تین روز تک اس کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ یہ تھا مساوات کا شاندار نمونہ۔

(3) یہ واقعہ سوچنے والے کے لیے اپنے اندر بڑا سامان بصیرت رکھتا ہے۔ فاروق اعظمؓ کو اگر ذرا سی بھی خلافت کی خواہش ہوتی یا وہ اسے کچھ بھی اپنے لیے عزت اور آمدنی کا ذریعہ سمجھتے یا دنیوی شہرت کی ان کا چاہ ہوتی تو عام بادشاہوں کی طرح وہ ایک بادشاہ ہوتے۔ تو ضرور اپنے بیٹے کے حق میں وصیت کر جاتے جبکہ بیٹا ہر طرح نہایت لائق و فائق بھی تھا۔ مگر انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے بیٹے کے حق میں وصیت نہ کی بلکہ مجلس شوریٰ کے ممبران کو حکم دے دیا کہ ''ابن عمرؓ کو خلیفہ منتخب نہ کیا جائے۔'' (مترجم)

بن عبید اللہ اس وقت مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق یہ حکم دیا کہ اگر وہ تین روز کے اندر اندر آ جائیں تو ان کو بھی شریک مشورہ کر لیا جائے۔ لیکن اگر اس عرصہ میں وہ نہ آئیں تو انکے بغیر ہی فیصلہ کر لیا جائے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ ان دو میں سے کسی ایک کے متعلق فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر عثمانؓ منتخب ہو گئے تو وہ نرم آدمی ہیں اور اگر علیؓ چن لیے گئے تو وہ خوش خلق آدمی ہیں اور لوگوں کو صحیح راہ پر چلانے کے ہر طرح قابل۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ ابو طلحہؓ انصاری کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: ''اے ابو طلحہؓ! کسی وقت اللہ تعالیٰ اسلام کو تمہارے ذریعہ سے عزت دے گا۔ اگر یہ لوگ کوئی فیصلہ نہ کر سکیں تو انصار میں سے پچاس اشخاص لینا اور ان کو مجبور کرنا کہ اپنے میں سے کسی شخص کو منتخب کر لیں۔''

حضرت مقدادؓ بن اسود سے یوں مخاطب ہوئے کہ ''جب تم مجھے دفنا چکو تو ان لوگوں کو ایک گھر میں جمع کرنا تا کہ وہ کسی کو خلافت کے لیے چن لیں۔ عبداللہؓ بن عمرؓ بھی مجلس مشاورت میں شامل ہوں۔ ان کے پاس کھڑے رہنا۔ اگر پانچ آدمی کسی شخص پر اتفاق کر لیں۔ لیکن ایک شخص اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دے تو اس کا سر اڑا دینا۔ اگر چار ممبران کسی ایک کو منتخب کر لیں اور دو اس فیصلے کو نہ مانیں تو تلوار سے ان دونوں کی گردنیں کاٹ دینا۔ اگر تین آدمی ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف تو عبداللہ بن عمر کو حکم بنانا اور جس فریق کے حق میں وہ فیصلہ دیں وہ فریق اپنے میں سے کسی ایک فرد کو منتخب کر لے۔ لیکن اگر وہ عبداللہ بن عمر کا فیصلہ تسلیم نہ کریں تو جس فریق میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں اس کے ساتھ ہو جانا اور دوسرے لوگ اگر فیصلہ قبول نہ کریں تو انہیں قتل کر ڈالنا۔''

(2)

انتخاب

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص کی مجلس ہوئی۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ مدینہ سے باہر تھے۔ وہ آخر وقت تک شرکت نہ کر سکے۔ البتہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو حضرت فاروقؓ کے اس حکم کے بموجب کہ ''ان کو مشورہ میں شریک کر لیا جائے لیکن خلیفہ نہ بنایا جائے'' مشورہ میں شریک کر لیا گیا۔''

پہلا دن خصوصیت سے بڑا سخت تھا۔ ارکانِ مجلس کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ ہر شخص کی رائے دوسرے سے مختلف تھی۔ ہر ایک یہ جانتا تھا کہ خلافت کے حق دار صرف دو اشخاص ہیں:

1- حضرت علیؓ اور

2- حضرت عثمانؓ

ان دونوں کی موجودگی میں کوئی اور خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حضرت علیؓ کے طرفدار حضرت علیؓ کی تائید میں لگ گئے اور حضرت عثمانؓ کے طرفدار آپ کے پروپیگنڈے میں مصروف ہو گئے۔ پروپیگنڈے اور اختلاف کا طوفان اتنے زور وشور سے جاری تھا کہ یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا' اس افتراق و اختلاف کے ہوتے کسی بات کا فیصلہ ہو سکے گا۔ (1)

اس وقت حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو یہ بات سوجھی کہ اپنے تئیں درمیان سے نکال لیں اور خلافت کی امیدواری سے دست بردار ہو جائیں۔ اس فیصلہ میں ان کے اس یقین کو بھی دخل تھا کہ خلافت ان کے حصہ میں ہرگز نہیں آ سکتی۔ اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لینے کے بعد وہ مجلس شوریٰ کے ارکان سے ملے اور ان سے اس طرح گفتگو شروع کی:

''تم میں سے کون خلافت سے دست بردار ہونے اور اپنے حق کو اپنے سے بہتر و افضل انسان کے لیے چھوڑ دینے پر تیار ہے؟''

اس پر سب خاموش رہے اور کسی نے جواب نہ دیا۔ تب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا:

''میں دست بردار ہوتا ہوں۔''

حضرت عثمانؓ نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور کہا:

''اس بات پر سب سے پہلے میں راضی ہوں۔''

باقی لوگوں نے بھی یہی کہا: ''ہم راضی ہیں۔''

صرف حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

(1) بیشک اس موقعہ پر دونوں بزرگوں کے طرفدار اپنے اپنے ممدوح کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ مگر ایک منٹ کے لیے بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک نے ان لوگوں سے اپنے پروپیگنڈے کے لیے کہا ہو۔ کیونکہ ان کی مقدس روحیں ان آلائشوں سے بالکل پاک تھیں۔ بطور خود جس کا جس نے چاہا پروپیگنڈہ کیا۔ (مترجم)

''ابوالحسن! تم کیا کہتے ہو؟''

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

''میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ ہمیں حق کی پیروی کرنی چاہیے۔ خواہشات نفسانی کو بالکل ترک کر دینا چاہیے۔ رشتہ داری کا مطلقاً لحاظ نہیں کرنا چاہیے۔''

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا:

''اگر تم لوگ مجھ سے اس بات کا پکا عہد کرو کہ تم میرے فیصلہ کو بخوشی مان لو گے اور جو میں کہوں گا اس پر بلا چوں و چرا عمل کرو گے' تو میں اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں کسی رشتہ داری کا لحاظ اور کسی دوستی کا پاس نہیں کروں گا۔ محض قوم کی بھلائی کو پیش نظر رکھ کر اس معاملہ میں صحیح فیصلہ دوں گا۔''

اس پر تمام رضامند ہو گئے کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف جو چاہے فیصلہ کر دیں انہیں یہ فیصلہ بلاچوں و چرا منظور ہوگا اور جس کو وہ نامزد کر دیں گے اسے اپنا خلیفہ مان لیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی ان کے سامنے اس بات کا عہد کیا کہ وہ خلیفہ نامزد کرتے وقت رشتہ داری اور دوستی کا ذرہ بھر لحاظ کیے بغیر' جس کا حق ہوگا' اسی کو تفویض کریں گے۔

جو کام پہلے پوری مجلس شوریٰ کے سپرد تھا اب اس کا سارا بوجھ عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر آ پڑا۔ ان کے ذمہ خلافت کے لیے ایک ایسے شخص کو نامزد کرنا تھا' جو ارباب شوریٰ میں سب سے بہتر اور افضل ہو۔

سب سے پہلے وہ تنہائی میں حضرت علیؓ سے ملے اور ان سے اس طرح گفتگو چھیڑی:

''اپنے دینی مرتبہ اور ہر نیک کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی وجہ سے آپ خلافت کے حقدار ہیں۔ لیکن بالفرض اگر کسی وجہ سے آپ کا انتخاب نہ ہو سکے تو پھر آپ کے نزدیک ان لوگوں میں ترجیح کے لائق کون ہے؟''

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

''اس صورت میں میرے نزدیک عثمانؓ کا حق سب سے زیادہ ہے۔''

اس کے بعد عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت عثمانؓ سے ملے اور کہنے لگے:

''آپ کا دعویٰ ہے کہ رسول کریمؐ کے داماد ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنی دو لڑکیوں کی شادی یکے بعد دیگرے آپ سے کی۔ اور یہ فضیلت ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں۔ اس لیے خلافت کے معاملہ میں آپ کو ترجیح حاصل ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ آپ خلافت کے لیے منتخب نہ

ہو سکیں تو پھر آپ کے نزدیک ان لوگوں میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟''

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: ''علیؓ!''

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف' زبیرؓ بن العوام اور سعدؓ بن ابی وقاص سے ملے اور ان سے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔ ان دونوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی۔

حضرت علیؓ نے بھی محسوس کر لیا کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ وہ سعدؓ سے ملے اور ان سے اپنے حق میں رائے دینے کی اپیل کی۔(1)

عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اب راتوں کو مہاجرینؓ' انصار' صحابہ کرامؓ' فوج کے اعلیٰ افسروں اور معززین شہر سے مشورہ کرنا شروع کیا۔ جس سے ملتے وہی حضرت عثمانؓ کی حمایت کرتا۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح کو آخری فیصلہ ہونا تھا تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف' مسورؓ بن مخرمہ کے گھر پہنچے۔ ان کو سوتے سے جگایا اور کہا:

''زبیرؓ اور سعدؓ کو بلاؤ۔''

وہ ان دونوں کو بلا لائے۔ اس وقت جب عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے زبیرؓ سے اس معاملہ کے متعلق گفتگو کی تو انہوں نے کہا:

''اب میری رائے یہ ہے کہ خلافت حضرت علیؓ کو تفویض کرنی چاہیے۔''

سعدؓ نے بھی یہی کہا۔

اگر مورخین کے بیان کردہ واقعات صحیح مان لیے جائیں تو اس وقت زبیرؓ اور سعدؓ دونوں نے اپنی رائے بدل لی تھی۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ غور و فکر اور بحث مباحثہ کے بعد انہیں حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ زیادہ صلاحیتوں کے مالک نظر آئے ہوں۔ کیونکہ حضرت علیؓ اپنی سیرت میں حضرت عمرؓ سے مشابہ تھے۔ ان میں بھی حق و صداقت کے بارے میں وہی سختی اور وہی شدت تھی جو حضرت عمرؓ میں تھی۔ یہ بھی دنیا سے اسی طرح دور بھاگتے تھے جس طرح حضرت عمرؓ۔ دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے مزاج میں نیکی اور نرمی کا پہلو غالب تھا جس کی وجہ

---

(1) مصنف کا یہ بیان صحیح نہیں اور نہ کسی مستند ذریعہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ نہ مصنف نے اپنے بیان کی توثیق میں کوئی حوالہ دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ہرگز سعدؓ سے یا اور کسی سے اپنے حق میں رائے دینے یا کوشش کرنے کے لیے نہیں کہا۔ بھلا جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ پرورش پائی ہو' جس کی تربیت شروع سے آنحضرت ﷺ نے خود کی ہو اور جس نے اپنے آقا ﷺ کا یہ فرمان بارہا سنا ہو کہ ''جو شخص کسی عہدہ کا طلبگار ہو وہ عہدہ اسے نہ دیا جائے۔'' وہ بھلا کس طرح اس قسم کی ناواجب خفیہ کاروائیاں کر سکتا تھا؟ (مترجم)

ان کا بڑھاپا تھا۔ (1) بڑھاپے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ تنہا کام بھی نہ کر سکتے تھے۔ انہیں دوسرے کی مدد اور مشورہ کی ضرورت پڑتی تھی۔(2)

شاید ان دونوں کو یہ بھی خیال تھا کہ مددگار صحیح طور پر کام نہیں کر سکتے۔ اور مشیر ضروری نہیں کہ صحیح مشورہ ہی دیں۔ اس لیے ان کے مشورہ پر کلیتہً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ بعید نہیں کہ جن اسباب نے ان دونوں کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور کیا تھا' ان میں یہ خوف بھی شامل ہو کہ کہیں حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور نرم خوئی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنی امیہ کو یہ موقع نہ مل جائے کہ وہ ملک پر اپنا تسلط جما لیں اور امور حکومت میں انہی کا غلبہ ہو جائے۔

شروع میں انہوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں جو رائے دی تھی اس وقت ان کا خیال ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کی سختی کے بعد اب کسی نرم اور رقیق القلب خلیفہ کی ضرورت ہے لیکن غور و فکر کے بعد ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی ہو کہ امور سلطنت کو انجام دینے' اسلام کو صحیح طور پر قائم رکھنے اور اس کا چاردانگ عالم میں پھیلانے کے لیے حضرت عمرؓ جیسی سخت گیری ہی کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت سعدؓ سے جو اپیل کی تھی اس کا ان پر اثر ہوا ہو اور انہوں نے اس اثر کے ماتحت اپنی رائے تبدیل کر لی ہو۔

رات کے آخری حصہ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کو بلا بھیجا اور ان سے بڑی لمبی گفتگو کی۔ باتیں کرتے کرتے صبح ہوگئی۔ صبح کی نماز کے بعد اراکین مجلس مشاورت جمع ہوئے۔ ادھر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے مہاجرین اور انصار کے اہل علم اور صاحب فضل حضرات کے ساتھ ساتھ افسران فوج کو بھی بلا بھیجا۔ چنانچہ سب جمع ہوئے اور مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس مسئلہ خلافت پر لوگوں کی آراء طلب کیں۔ حضرت عمارؓ بن یاسر نے کہا:

"اگر یہ بات مدنظر رکھی جائے کہ مسلمانوں میں تفرقہ اور اختلاف پیدا نہ ہونے پائے تو سب سے بہتر بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی بیعت کر لی جائے۔" مقدادؓ بن الاسود نے اس کی تائید کی۔

---

(1) نیکی اور نرم مزاجی حضرت عثمانؓ کے مزاج میں بڑھاپے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ شروع ہی سے نہایت درجہ نیک فطرت اور نرم دل واقع ہوئے تھے۔

(2) ضرورت پڑنے پر دوسرے شخص سے مدد لینا یا اس سے مشورہ کرنا اگر کمزوری کی علامت ہے تو اس سے کوئی بھی خلیفہ بچا ہوا نہیں۔ صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ سے مشورہ لیتے تھے اور فاروق اعظمؓ ہر بات حضرت علیؓ سے پوچھ کر کرتے تھے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں: لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ۔ (اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہوگیا ہوتا)۔ (مترجم)

اس کے بعد عبداللہؓ بن ابی سرح کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

"اگر یہ بات مدنظر ہو کہ قریش میں اختلاف و انشقاق پیدا نہ ہو تو حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنی چاہیے۔"

عبد اللہ بن ابی ربیعہ نے اس کی تائید کی۔ اس پر عمارؓ نے ابن سرح سے کہا کہ تم مسلمانوں کو نصیحت کرنے والے کہاں سے آئے؟"

اس مرحلہ پر بنی ہاشم اور بنی امیہ کے کچھ لوگ آپس میں تکرار کرنے لگے۔ بنی ہاشم کی خواہش تھی کہ حضرت علیؓ کی بیعت کی جائے۔ اور بنی امیہ چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کو خلافت سپرد کی جائے۔ اس پر ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اب سعدؓ بن ابی وقاص بولے:

"عبدالرحمٰن! اس سے پہلے کہ لوگ فتنہ میں پڑیں، تم اس کام سے فراغت حاصل کر لو۔ بہتر ہے کہ تم اپنا فیصلہ سنا دو" چنانچہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف اٹھے اور کہنے لگے:

"میں نے بہت غوروفکر سے کام لیا ہے اب میں جو فیصلہ دوں گا لوگوں کو چاہیے کہ وہ بغیر کسی انقباض کے کھلے دل سے قبول کرلیں اور اس بارے میں میری طرف سے کسی قسم کی بدگمانی کو اپنے دل میں راہ نہ پانے دیں۔"

اس کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ کو بلایا اور ان سے کہا کہ اگر آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے تو کیا آپ کتاب اللہ، سنت رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے۔؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"ان شاء اللہ میں حتی المقدور اس پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

پھر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور جو بات حضرت علیؓ سے کہی تھی وہی ان سے کہی۔ حضرت عثمانؓ نے بھی وہی جواب دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ان کی بیعت کر لی اور اپنا ہاتھ جو عثمانؓ کے ہاتھ میں دیا ہوا تھا چھت کی طرف اٹھایا اور کہنے لگے:

"اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ اس وقت تک جو کچھ میرے اختیارات تھے میں نے وہ عثمانؓ کی طرف منتقل کر دیے ہیں۔" اس پر حضرت علیؓ کہنے لگے کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہمیں گرانے کی کوشش کی ہے اچھا ہم صبر کرتے ہیں اور سارا معاملہ خدا پر چھوڑتے ہیں۔(1)

(1) ہرگز یقین نہیں آتا کہ علیؓ جیسے متقی، پرہیزگار، کامل ایمان اور دنیا سے دل برداشتہ انسان کے منہ سے ایسے کلمات نکلے ہوں۔ (مترجم)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا:

''علی! اپنے دل میں اس کے متعلق کوئی خیال نہ لاؤ۔ میں نے اس معاملہ میں بہت سوچا' لوگوں سے تفصیلی مشورہ کیا اور خوب غور وفکر اور صلاح ومشورہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خلافت کا بار عثمانؓ ہی کو سونپا جائے۔ عامتہ المسلمین بھی زیادہ تر عثمانؓ ہی کے حق میں تھے۔''

حضرت علیؓ مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے:

''سیبلغ الکتاب اجلہ (1)

مقدادؓ نے کہا:

''عبدالرحمٰن! تم نے علیؓ کو چھوڑ دیا حالانکہ علیؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمیشہ حق کے مطابق فیصلہ کرتے اور عدل وانصاف کو پیش نظر رکھتے ہیں۔''

عبدالرحمٰن نے جواب دیا:

''مقدادؓ! میں نے جس شخص کو مسلمانوں کے لیے بہتر پایا اسی کو نامزد کیا۔ تم اس وقت چپ رہو' خدا سے ڈرو' کیونکہ ایسی باتوں سے فتنہ وفساد پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے۔''

بعض روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علیؓ تھوڑی دیر بعد ہی مسجد میں تشریف لے آئے تھے اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی تھی۔

طبری میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت میں توقف کیا تھا جس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی:

ومن نكث فانما ينكث على نفسه ومن اوفى بما عاهد عليه الله فسيئوتيه اجرا عظيما. (فتح)

یعنی جو شخص اپنے اقرار کو توڑے گا' اس کا وبال اس پر پڑے گا۔ اور جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اللہ اسے عنقریب بڑا اجر دے گا۔

(1) یہ محض من گھڑت قصہ ہے اور حضرت علیؓ کے کسی دشمن کی اختراع ہے۔ جب شروع ہی میں مجلس شوریٰ کے تمام ممبروں نے کہہ دیا تھا کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف جو فیصلہ کر دیں ہمیں منظور ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کا یہ طرز عمل سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

اس پر حضرت علیؓ بھیڑ کو چیرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور ان کی بیعت کر لی۔(1)

(3)

انتخاب کا پس منظر

گزشتہ صفحات میں قارئین کرام کسی قدر تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بن عفان کو خلیفۃ المسلمین منتخب کرنے کے سلسلہ میں مجلسِ مشاورت کے ارکان نے کیا کچھ کیا۔ ان واقعات کے بعد اب ہم وہ اسباب بیان کرتے ہیں جن کے زیرِاثر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔

اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے انہوں نے حضرت عثمانؓ کی بیعت اس وجہ سے کر لی ہو کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ رشتہ میں ان کے بہنوئی تھے۔(2) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کثرتِ رائے حضرت عثمانؓ کے حق میں ہو (اور جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں وجہ یہی تھی) اس کا بھی امکان ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو حضرت عثمانؓ کے عہد و پیمان سے اس بات کا اطمینان ہو گیا ہو کہ وہ بنی امیہ کو عامتہ المسلمین کے سروں پر مسلط نہیں کریں گے۔ بعض لوگ اس کی وجہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سمجھتے تھے کہ حضرت عثمانؓ اپنے بعد انہیں خلیفہ نامزد کر دیں گے۔(3) خلافت ملنے کے وقت حضرت عثمانؓ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے بیعتِ عثمانؓ کے بعد مسجد میں اپنے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا۔

اگرچہ یقینی طور پر اس روایت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے قریش کے معاملے میں اتنی سختی سے کام لیا تھا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی دینوی جاہ و حشمت اور مال و منال میں خاطر خواہ حصہ یاب نہ ہو سکا۔ حضرت علیؓ بھی عزم و استقلال، عدل و انصاف، دنیوی اغراض سے بے تعلقی اور دینی احکام پر بہ شدت عمل پیرا ہونے میں حضرت عمرؓ کی مثال تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ میں رواداری پائی جاتی تھی۔ ہو

---

(2) اس موقعہ پر سوال صرف یہ ہے کہ کیا یہ آیت علیؓ جیسے ہوشمند، واقف علم القرآن اور وارث علوم نبوی کے ذہن میں پہلے سے نہ تھی۔ وعدہ کا ایفا تو معمولی شخص بھی ضروری سمجھتا ہے علیؓ کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ (مترجم)

(2) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط سے شادی کی تھی۔ ام کلثوم حضرت عثمانؓ کی بہن ہیں، ان کی والدہ کی طرف سے۔

(3) مصنف کا یہ قول غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ بیان کردہ اس وجہ کا کوئی تاریخی یا کتابی ثبوت موجود نہیں۔

سکتا ہے کہ ان صفات کی وجہ سے حضرت عثمانؓ لوگوں میں ہر دلعزیز ہو گئے ہوں اور یہی امر ان کی خلافت کا باعث بنا ہو۔ لوگوں کو یہ خیال ہو گا کہ اب ان کو حضرت عمر فاروقؓ کی سی سخت پالیسی سے سابقہ نہیں پڑے گا۔ وہ آسانی سے دنیا کما سکیں گے۔ اس کے لذائذ سے بہرہ ور ہو سکیں گے اور انہیں اسلامی فتوحات سے خاطر خواہ متمتع ہو جانے کا موقع مل سکے گا۔ کوئی تعجب نہیں کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی لوگوں کی اس رائے میں ان کے شریک ہوں اور یہ بھی مستبعد نہیں کہ وہ شروع ہی سے یہ سوچ کر حضرت عثمانؓ کی طرف داری کر رہے ہوں کہ یہ تو اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان کے مزاج میں اگر درخور حاصل کر لیا جائے تو آئندہ خلافت کے سلسلے میں اپنے لیے راہ ہموار کی جا سکتی ہے۔ (1)

یہ بات صاف ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو یقین ہو گیا کہ خواہ کوئی صورت ہو جب تک حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ موجود ہیں وہ خلافت حاصل نہیں کر سکتے تو انہوں نے اپنے آپ کو خود ہی امیدواران خلافت سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ساتھ ہی یہ پیشکش بھی کر دی کہ وہ حق و انصاف کی رو سے مسلمانوں کے لیے خلیفہ منتخب کرنے کو تیار ہیں جس کو قبول کر لیا گیا۔ اگرچہ حضرت عثمانؓ ان کے رشتہ دار تھے لیکن پھر بھی ان کے انتخاب کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس لیے کہ وہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے اور مسلمانوں میں نہایت اعلیٰ پوزیشن کے مالک۔ مزید برآں وہ نہایت نرم دل انسان تھے اور حضرت عمرؓ کی طرح سختی کا جذبہ ان میں نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد مسلمان چاہتے تھے کہ انہیں اس سخت گیری سے چھٹکارا ملے، جو خلیفہ ثانیؓ کے عہدِ خلافت میں ان کو برداشت کرنی پڑتی تھی اور ان دنیوی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملے جن سے وہ آج تک محروم تھے۔ وہ اپنے آپ میں بھی اس تہذیب کا جلوہ گر دیکھنے کے خواہشمند تھے جس کی چمک عظیم الشان تہذیب و تمدن رکھنے والی حکومتوں کو فتح کرنے کے بعد وہ دیکھ رہے تھے لیکن اس سے حقیقی فائدہ حاصل کرنے کا ان کو موقع نہ مل سکا تھا۔

(1) ایک جلیل القدر صحابی کے متعلق، جس نے از خود اپنے آپ کو خلافت سے الگ کر دیا ہو۔ ایسا خیال کسی صورت میں بھی درست نہیں۔ (مترجم)

مورخین کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پہلی دو راتوں کو لوگوں کے پاس جا جا کر اس مسئلہ میں ان سے مبادلہ خیال کرتے رہے۔ وہ بھیس بدل کر مدینہ کی گلیوں میں گشت لگاتے اور لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرتے۔ کوئی مہاجر، کوئی انصاری یہاں تک کے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی ایسا باقی نہ رہا جس سے انہوں نے اس بارہ میں پوچھا نہ ہو یا مشورہ نہ لیا ہو۔ اہل الرائے حضرات کے پاس وہ مشورہ طلب کرنے والے کی حیثیت سے جاتے رہے اور دوسروں سے وہ ایک عام آدمی کی طرح پوچھتے رہے کہ تمہارے خیال میں حضرت عمرؓ کے بعد کون خلیفہ ہونا چاہیے؟ جس شخص سے بھی انہوں نے مشورہ طلب کیا یا اس بارہ میں کچھ پوچھا اس نے حضرت عثمانؓ ہی کے حق میں جواب دیا۔ جب انہوں نے حضرت عثمانؓ کے متعلق عامتہ الناس کا اتفاق دیکھا تو لوگوں کی رائے کا احترام کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ ہی کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کرلیا۔(1)

حضرت عثمانؓ کے بارہ میں جمہور کے اتفاق کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ لوگوں کا یہ خیال ہو کہ اگر قریش کے دوسرے خاندانوں میں خلافت رہے گی تو وہ کسی ایک خاندان سے مخصوص ہو کر نہیں رہے گی، لیکن اگر وہ بنی ہاشم میں چلی گئی تو پھر ناممکن ہے کہ بنی ہاشم اسے اپنے ہاتھوں سے نکلنے دیں۔

غرضیکہ ہماری نظر میں یہی عوامل ہیں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت میں معین ہوئے۔

حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں قریش اور عامتہ المسلمین میں نہایت ہردلعزیز تھے۔ لوگ طبعی طور پر دنیوی نعمتوں سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنے کی تنگی ترشی اٹھانے پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت حسن بصری حضرت عثمانؓ کے اوائل خلافت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

> ''میں نے حضرت عثمانؓ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ میں اس وقت بلوغت کے قریب تھا۔ میں نے آپ سے زیادہ پاک و صاف اور آپ کے چہرہ سے زیادہ حسین چہرہ نہیں دیکھا۔ آپ فرماتے:

(1) اس صورت کے موجود ہوتے ہوئے پھر کیوں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی نیت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے آیندہ فائدہ اٹھانے کے لیے حضرت عثمانؓ کو نامزد کیا۔ (مترجم)

"اے لوگو! تم غریبوں کے واسطے عطیے اور صدقے لاؤ۔"

اور لوگ آپ کے سامنے عطیوں اور صدقوں کا ڈھیر لگا دیتے۔ آپ فرماتے کہ:

"لوگو! غرباء کے لیے کپڑے لاؤ۔"

لوگ کثرت سے آپ کے پاس کپڑے لاتے اور آپ ان کو غربا میں بانٹ دیتے۔ آپ فرماتے کہ:

"لوگو! غرباء کے لیے خوشبوئیں لاؤ۔"

تو لوگ ہر قسم کی خوشبوئیں عطر' مشک اور عنبر وغیرہ آپ کی خدمت میں لاتے اور آپ ان کو غربا میں تقسیم فرما دیتے۔"

جنگوں کی تکلیف اور لڑائیوں کی شدت کے بعد اسی قسم کی چیزیں لوگ چاہتے تھے اسی قسم کی چیزیں حضرت عثمانؓ ان کو دیتے بھی تھے۔" (1)

(4)

عہدِ فاروقیؓ

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں عام مسلمانوں کی جو حالت تھی وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت سے بالکل مختلف تھی۔ حضرت عمرؓ کے دور میں اسلام ضعف و ناتوانی کی حالت سے نکل کر طاقت' قوت اور شوکت کے دور میں داخل ہو چکا تھا۔ تمام جزیرہ عرب میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ پڑھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو عرب میں کلی اقتدار حاصل ہو چکا تھا اور ان کی حکومت اچھی طرح مضبوط ہو چکی تھی۔ جاہلیت میں افتراق و انشقاق' قتل و غارت اور لڑائی جھگڑوں کی جو کیفیت عربوں پر طاری تھی وہ ایک قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ جہالت کے جو تاریک پردے ان کی آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے ملکی نظم و نسق میں حصہ لینے کی وجہ سے وہ دور ہو چکے تھے۔ رسوم جاہلیت مٹ چکی تھیں۔ وہ قوم جو اپنی جہالت اور درندگی کی وجہ سے بالکل وحشیوں کی مانند تھی اب اعلیٰ درجہ کی مدبر اور مہذب قوم بن چکی تھی۔ بلند

(1) آہ! یہ کیسے انسان تھے جنہوں نے ایسے نیک دل' اتنے غریب نواز اور اس قدر فرشتہ صفت بزرگ کے خلاف فساد کر کے خدا کی ناراضی حاصل کی۔ (مترجم)

ست دانوں' اہل بصیرت' ماہرین قانون اور مذہبی لحاظ سے ممتاز لوگوں کی ان میں کمی نہ تھی۔
بھوکی اور ننگی قوم جس کا گزارہ محض اونٹنیوں کے دودھ اور صحرا کی کھجوروں پر تھا چند ہی دنوں میں
قی کے اس مرتبہ پر پہنچ گئی تھی کہ نہ گزشتہ قومیں اس کی مثال پیش کر سکیں اور نہ معاصر طاقتیں
قی کی دوڑ میں اس کی گرد کو پا سکیں۔

عربوں کے تن مردہ میں ازسرنو جان پڑ چکی تھی۔ ان کی رگوں میں تازہ خون دوڑنے
تھا۔ قوم کا ہر فرد بشر قومی اتحاد کے نشہ سے سرشار تھا۔ ان کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح
ہ چکی تھی کہ آج دنیا کی کوئی قوم سربلندی اور رفعت شان میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آئندہ
ل کر ہماری قوم ہی سب قوموں کی رہبر بنے گی۔ ہمیں کو اصل طاقت' شوکت اور قوت حاصل
گی اور ہم ہی دنیا کے سردار تسلیم کیے جائیں گے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے ان کو ترقی کی راہ
گامزن کرنے میں سب سے زیادہ مدد دی۔ عرب کے قریبی ملکوں یعنی فارس و روم کی طرف
ن کی افواج قاہرہ کا ایک سیلاب عظیم امڈ پڑا تھا۔ ان کے گھوڑوں نے ایسے ایسے شہروں کو اپنی
پوں تلے روند ڈالا تھا جن کے نام بھی ان کے ذہنوں میں پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا
کہ روئے زمین کا بہت بڑا حصہ ان کے زیر نگین آ گیا۔ بڑی باجبروت بادشاہتوں سے (جن کی
طرف پہلے کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ تھی) عرب ٹکرائے اور ان کو پاش پاش کر کے
رکھ دیا۔ تاریخ عالم کا یہ عجیب و غریب ورق اور کتاب زندگی کی یہ ایک حیرت ناک داستان ہے
جس نے آج تک مورخین کو حیران و ششدر کر رکھا ہے۔ یہ ایک سربستہ راز ہے جس کی تہہ کو
اب تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔

ایران پر عرب کے لوگ آندھی کی طرح چھا گئے۔ آل ساسان کو انہوں نے اس بری
طرح تباہ کیا کہ پھر ان میں اٹھنے کی سکت بالکل نہ رہی۔ سلطنت روما کی طرف رخ کیا تو اس کو
پامال کرتے ہوئے گزر گئے۔ الجزیرہ' شام' آرمینیہ' مصر' اور برقہ میں رومی اقتدار کو ملیا میٹ کر
کے وہاں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ان کے قدم ہر لحظہ آگے ہی کی طرف اٹھتے تھے اور فتح و
نصرت قدم قدم پر انہیں کے پاؤں چومتی تھی۔ بڑے بڑے لشکر' جو اس وقت کے جدید ترین
آلات حرب سے لیس تھے' اپنی طاقت اور تعداد کے نشہ میں چور' مسلمانوں کی بے سروسامان فوج
کے مقابلے میں آئے۔ لیکن ان کی طاقت و تعداد' اور ان کا غرور و تکبر ان کے کسی کام نہ آیا۔ ہر
بار ان کو منہ کی کھانی پڑی اور کبھی انہیں فتح مندی اور کامرانی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

عرب کے ہمسایہ ممالک میں مطلق العنان بادشاہوں کے ہاتھوں جور و استبداد کی

بنیادیں بہت گہری ہوگئی تھیں۔ غلامی وہاں کے باشندوں کی قسمت بن گئی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایرانیوں اور رومیوں میں خود اپنے اوپر سے اعتماد اٹھ چکا تھا اور شخصی آزادی کی محبت کے وہ شعلے ان کے دلوں میں سرد پڑ چکے تھے جو زندگی کی راہوں میں انہیں سرگرم سفر رکھ سکتے تھے۔ اس کے برخلاف عرب طبعاً شخصی آزادی کے بیحد دلدادہ تھے۔ آزادی رائے اور حریت افکار کا عشق ان کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ انہیں یہ تک گوارا نہ تھا کہ ان کا حاکم اور امیر بھی ان سے کسی چیز میں فوقیت اور برتری رکھے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے امراء پر بہت سخت احتساب قائم کر رکھا تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''اگر کسی شخص پر اس کے حاکم نے ظلم کیا تو وہ حاکم ہرگز حکومت کرنے کا اہل نہیں ہے۔''

عرب نہ صرف خود آزادی کے نشہ میں سرشار تھے بلکہ انہوں نے مفتوحہ ممالک کے لوگوں میں بھی ایک نئی روح پھونک دی تھی اور ان کو بھی شخصی آزادی کی حلاوت و شرینی سے ذوق آشنا کر دیا تھا۔ انہوں نے مفتوحین کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ شہری حقوق میں ان کا مرتبہ کسی طرح بھی امراء کے مرتبہ سے کم نہیں ہے۔ ایک مرتبہ ایک مصری کو حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر سے کچھ تکلیف پہنچی۔ وہ شخص مدینہ آیا اور حضرت عمرو بن العاص کے لڑکے سے ملا۔ انہوں نے اپنے والد اور ان کے مرتبہ و بزرگی کا لحاظ کیے بغیر اس شخص کو حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا دیا۔ جہاں انہوں نے اس کی معروضات سنیں' اور داد رسی فرمائی۔

رعایا کا ہر فرد حقیقی مساوات کی لذت سے بہرہ اندوز تھا۔ اس وسیع اسلامی سلطنت میں رہنے سہنے والے انسان کو اس بات کا کامل احساس تھا کہ سوائے اس شخص کے جو اعمال صالحہ اور تقوی و طہارت میں اس سے ممتاز ہے اور کوئی شخص کسی حیثیت سے اس پر فضیلت نہیں رکھتا۔

جب عرب ان اقوام سے ملے جو ان کے لیے بالکل اجنبی تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان مملکت ان کے سامنے ہے۔ ان کی آنکھیں ایک جدید تہذیب کی روشنی سے آشنا ہوئیں جس نے عربوں کو ان کے فاتح ہونے کے باوجود مرعوب کر دیا اور ان کے دلوں میں اس تہذیب کو اپنا لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اخلاق و عادات میں اپنے ہمسایہ ممالک کی تقلید شروع کر دی اور اس طرح زندگی کے میدان کارزار میں اس کا دوسری اقوام سے مقابلہ شروع ہوا۔

عربوں کو سب سے پہلے جن چیزوں کی تقلید کرنے کا خیال پیدا ہوا وہ لڑائیوں کے

...نئے ڈھنگ اور وہ جدید آلاتِ حرب تھے۔ جن سے رومی اور ایرانی جنگوں میں کام لیا ...تے تھے۔ اس کے بعد وہ امور سیاست اور ملکی انتظام کی طرف متوجہ ہوئے اور جو طریقے ...ں نے اپنی مفتوحہ قوموں سے سیکھے تھے وہی اپنی مملکت میں رائج کرنے شروع کر دیے۔ ...م اور ایران کی حکومتوں میں جو دفتری نظام رائج تھا اسے سامنے رکھ کر حضرت عمرؓ نے بھی ہر ...ہ کا علیحدہ علیحدہ دفتر قائم کیا۔ اس کے بعد آپ نے ولایات کی ترتیب' تقسیم کار' عمال کے ...اب اور وظیفوں کے تعین کی طرف توجہ مبذول کی۔ مفتوحہ ممالک سے جو خراج آتا تھا اس کو ...چ کرنے کے بہتر سے بہتر طریقے اختیار کیے۔ امن و عدل و انصاف کے قیام کی طرف توجہ ...۔ ٹیکس کے اصول اس طرح وضع کیے کہ نہ رعایا پر کوئی بار پڑے اور نہ حکومت کے خزانہ کو کوئی ...صان پہنچے۔ مملکت کے طول و عرض میں فارغ البالی اور خوشحالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ فاتحین ...لام پر مال و دولت کے دروازے کھل گئے اور ہر قسم کا آرام ان کو میسر آ گیا۔

یہ سب کچھ تھا لیکن اس پر بھی حضرت عمرؓ کے خوف اور ان کے شدید احتساب کی وجہ ...ے لوگوں کو کھانے پینے کے معاملہ میں اپنے اوپر بعض سختیاں عائد کرنی پڑتی تھیں اور زندگی ...گزارنے کے لیے حدِ اعتدال میں رہنا پڑتا تھا۔ حضرت عمرؓ اسراف اور فضول خرچی کو کسی صورت ...سے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس بارے میں وہ بہت سختی سے کام لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں عربوں کو اس بات کا موقعہ ہی نہ دیا کہ وہ عیش و عشرت' آرام و راحت' شان و شوکت اور سکون و طمانیت کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ جتنی تیزی سے وہ مدنی زندگی اور شہری معیشت اختیار کرتے جا رہے تھے اتنی ہی تیزی سے لڑائیوں کے محاذ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے تھے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت بھی اس امر کی تھی کہ لڑائیوں کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کر کے دشمن پر فتح پائی جائے۔ اگر اس طرف سے وہ ذرا بھی غفلت برتتے تو دشمنوں کی فوجیں موقع سے فائدہ اٹھا کر سارے عرب کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتیں۔ لہٰذا مسلمان اپنے عیش و آرام سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن اسی طرف متوجہ ہو گئے اور عیش و آرام کو کسی اور مناسب وقت کے لیے اٹھا رکھا۔ حضرت عمرؓ کی زبردست شخصیت اور غیر معمولی سیاست کا یہ اثر تھا کہ آپ کے جیتے جی ملت میں افتراق اور انشقاق' بغض و عداوت اور نفرت و حقارت کو کوئی راہ نہ مل سکی۔ ملت اسلامیہ کے تمام افراد موتیوں کی طرح ایک لڑی میں منسلک تھے جو کوئی اس لڑی کو کھولنے اور اس کے دانوں کو بکھیرنے کی کوشش کرتا تھا اس کی سزا موت تھی۔

لڑائیوں کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنے اور مسلمانوں کے ملکوں ملکوں پھیل جانے سے ایک بڑا نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ یہ امر لازمی تھا کہ پہلے مسلمانوں کے دلوں میں دین خوب اچھی طرح راسخ ہو جاتا اور عوام کو اسلام اور اس کے اصولوں سے اچھی طرح روشناس کرا دیا جاتا تاکہ بعد کو ان کے ایمان میں کمزوری راہ نہ پا سکتی' ان میں کسی قسم کی بے راہ روی نہ پھیل سکتی لیکن یہ اسی صورت میں ممکن تھا جبکہ مسلمان ہر قسم کے تفکرات اور مہمات سے آزاد ہو کر اپنی اپنی جگہ ٹکے رہتے اور دینی تعلیمات سے فیض یاب ہوتے رہتے۔ پر ایسا نہ ہوا بلکہ اس سے پہلے کہ دین ان کے دلوں میں اچھی طرح جاگزین ہوتا' وہ فتوحات کی غرض سے دور دراز ممالک میں پھیل گئے اور صحیح طور پر دینی تربیت حاصل نہ کر سکے۔

اسلام کا بڑا مقصد دنیا سے بت پرستی کو مٹانا اور خدا کی وحدانیت کو صحیح طور پر دنیا میں قائم کرنا تھا لیکن اس کے باوجود کہ مفتوحہ ممالک کے باشندے بکثرت دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ ان میں ----- اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ----- بہت سی مشرکانہ رسوم موجود تھیں اور شرک کا کلی طور پر استیصال نہ ہوا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں ----- خصوصاً عجمی مسلمانوں ----- میں عقاید کے لحاظ سے اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ بدعتیں پھیلنے لگیں اور اس سے فائدہ اٹھا کر کئی منافق اور بدطینت لوگوں نے بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔

بہت ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کا پہلے یہ خیال ہو کہ اول اول ان فتوحات سے فراغت حاصل کر لی جائے جو انتہائی ضروری ہیں تاکہ اس فتنہ و فساد کا بالکل خاتمہ ہو جائے جس کا کرنا ان متحارب اقوام پر قابو پائے بغیر ناممکن تھا۔ دوسرے میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی جو تڑپ اور امنگ عربوں کے دلوں میں مدتوں سے تھی وہ پوری ہو جائے۔ تیسرے ان تمام معاند جماعتوں کا سدباب کر دیا جائے جو جزیرہ عرب کے اطراف میں آباد تھیں اور جن کے متعلق اندیشہ تھا کہ اگر ان پر فتح حاصل نہ کی گئی تو ان کے جھگڑے سرکشی اور بغاوت کا رنگ اختیار کر لیں گے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ دشمن قوت حاصل کر سکے اور اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو مجتمع کر کے عربوں پر غلبہ پا سکے' سب سے پہلا کام یہی کیا گیا کہ اس کا سر کچل دیا گیا۔ جب یہ مدعا پورا ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اب فتوحات میں میانہ روی اختیار کی جائے اور عربوں کو جو سالہا سال سے جنگوں میں مصروف تھے کچھ آرام کرنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن ابھی ان کا یہ ارادہ شرمندہ تکمیل نہ ہونے پایا تھا کہ انہیں بروقت اس امر کا احساس ہوا

متحارب اقوام جن سے عربوں نے معاہدات کیے تھے اپنے معاہدات کو پس پشت ڈالتے ہوئے صریح عہد شکنیوں پر اتر آئی ہیں اور انہیں اپنے وعدہ اور قول و قرار کا پاس نہیں رہا۔ اب مسلمانوں کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ایران پر مکمل طور سے قبضہ کر لیں اور ایرانیوں کو شام کی حدود سے پرے دھکیل دیں۔

ان سب باتوں کے باوجود حضرت عمرؓ کی یہ دلی خواہش تھی کہ عرب ان ہی فتوحات پر اکتفا کریں جو شروع میں انہوں نے ایران و روم میں حاصل کی تھیں، مزید فتوحات کا خیال چھوڑ دیں۔ اطمینان سے اپنی اپنی جگہ ٹک کر زراعت و تجارت وغیرہ کا شغل اختیار کریں اور اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جائیں تاکہ ان کے اندر اسلام کی صحیح روح پیدا ہو جائے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو پورے طور پر جذب کر سکیں اور اس طرح بدعت و ضلالت اور فتنہ و فساد کے خیالات کی ان کے ذہنوں تک رسائی نہ ہو سکے۔

یہ تھے وہ عوامل، جو حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے وقت ملک میں کارفرما تھے۔ ہم نے ان کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہ آئندہ ابواب کے مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو سامنے رکھے بغیر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں صحیح طور سے تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔

(5)

حضرت عثمانؓ بن عفان

حضرت عثمانؓ اموی تھے اور بنی عبدالشمس بن عبد مناف سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی تھا۔ والد کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے:

عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی القرشی

رسول کریم ﷺ کا شجرہ نسب آپ سے عبد مناف پر جا کر ملتا ہے۔ آپ کی کنیتیں تین تھیں:

1- ابوعبداللہ
2- ابوعمرو
3- ابولیلیٰ

آپ اصحاب الفیل کے واقعہ کے چھ سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ والدہ کی طرف سے آپ کا

سلسلہ نسب یہ ہے:

اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدالشمس بن عبدمناف

اروی کی والدہ البیضاء ام حکیم بن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کی پھوپھی آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب کی سگی بہن تھیں۔

حضرت عثمانؓ تاجر تھے۔ آپ تجارت کے سلسلہ میں اکثر شام آیا جایا کرتے تھے خدا نے آپ کی تجارت میں بڑی برکت دی اور آپ کا شمار قریش کے نہایت مالدار اشخاص میں ہوتا تھا۔ لوگ آپ کو ملک التجار کہتے تھے۔

باوجود مالدار ہونے کے آپ میں کبر و نخوت اور غرور و تکبر نام کو نہ تھا بلکہ آپ بڑے خوش اخلاق، پاکیزہ سیرت، انتہائی عفیف اور پرہیزگار انسان تھے۔

آپ کو ان چند خوش قسمت صحابہؓ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے جو اوائل اسلام میں ہی رسول کریم ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی غلامی کا طوق اپنے گلوں میں ڈال چکے تھے آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ گہرے تجارتی تعلقات تھے جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان مضبوط رشتہ مودت و اخوت بھی قائم ہوگیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت ابوبکر نے ان کو سلام کی دعوت دی تو ان پر کامل اعتماد اور بھروسا ہونے کی بناء پر انہوں نے اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا اور حلقہ بگوشانِ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا نمبر چوتھا تھا۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کو ان کے اخلاق و عادات اس قدر پسند آئے کہ آپ نے ان کے اسلام لانے کے بعد اپنی صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح ان سے کر دیا۔ جب قریش نے مسلمانوں کو تکالیف پہنچانی شروع کیں تو آپ حضرت رقیہؓ کو لے کر حبشہ ہجرت کر گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس مکہ تشریف لے آئے۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ بھی حضرت رقیہؓ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے گئے۔ حضرت رقیہؓ نے عین اسی دن وفات پائی جس دن اللہ تعالیٰ نے معرکہ بدر میں مسلمانوں کو کفار پر فتح عظیم دی تھی (۲ ھ) حضرت عثمانؓ اس جنگ میں حاضر نہیں تھے لیکن حضرت رسول ﷺ نے ان کو مال غنیمت میں سے اتنا ہی حصہ دیا جتنا جنگِ بدر میں شریک ہونے والوں کو ملا تھا۔

حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی

حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی انہی سے کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ حضرت رسول اکرمﷺ سے سفر و حضر، جنگ و صلح غرضیکہ کسی حالت میں بھی علیحدہ نہ ہوتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول کریمﷺ نے ان کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تھا کیونکہ حضورﷺ کو معلوم تھا کہ قریش ان کے حسن اخلاق کی بناء پر ان کا بہت ادب و احترام کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ آپ انتہائی پاکیزہ اخلاق کے مالک اور بڑے سخی تھے۔ خدا کی راہ میں اور اعلاء کلمتہ الحق کے لیے آپ ہر موقع پر اپنا مال و اسباب بے دریغ لٹاتے رہتے تھے۔ جیش العسرۃ کے موقع پر لشکر کی تیاری کے لیے آپ نے اتنا خرچ کیا کہ اور کوئی اس کی مثال پیش نہ کر سکا۔ آپ نے اس موقعہ پر ایک ہزار اونٹ اور پچاس گھوڑے رسول کریمﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ روایت ہے کہ جب حضرت عثمانؓ مع ایک ہزار دینار کے یہ سارا سامان لیے ہوئے رسول کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپﷺ نے فرط مسرت سے دیناروں کو الٹنا پلٹنا شروع کیا اور فرمایا کہ آج کے بعد عثمانؓ جو کریں گے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اللہ کی رضا جوئی کے لیے اس کی راہ میں کس طرح کھلے دل سے روپیہ خرچ کرتے تھے۔

مدینہ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا۔ جو بئر رومہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا اور وہ اس کا پانی اہل مدینہ کے ہاتھوں بڑی گراں قیمت پر فروخت کرتا تھا جس کے باعث مسلمان بڑی تکلیف میں تھے۔ ایک روز رسول کریمﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بئر رومہ خرید لے اور اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دے تو میں اس کے لیے جنت کا وعدہ کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ فوراً اس یہودی کے پاس گئے اور اس سے بئر رومہ کے متعلق بات چیت کی۔ اس نے سارا کنواں بیچنے سے تو انکار کر دیا لیکن نصف بیچنے پر رضا مندی ظاہر کی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار دینار میں آدھا کنواں خرید کر اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ معاملہ اس شرط پر ہوا تھا کہ ایک روز یہودی کو پانی بھرنے کا حق ہوگا اور دوسرے روز حضرت عثمانؓ کو۔ جب حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تو مسلمان دو روز کا پانی اکٹھا بھر لیا کرتے اور دوسرے روز یہودی کے پاس کوئی پانی خریدنے نہ آتا۔ یہ صورت حال دیکھ کر یہودی بہت گھبرایا اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ بقیہ نصف کنواں بھی آپ ہی خرید لیں۔ چنانچہ آٹھ ہزار درہم میں اس کا بھی معاملہ ہوگیا اور حضرت عثمانؓ نے وہ کنواں مسلمانوں کے لیے

وقف کر دیا۔

رسول کریم ﷺ کے زمانہ مین حضرت عثمانؓ کاتب وحی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں آپ ان کے امین اور کاتب یعنی پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا تو مجلس شوریٰ نے آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ یہ یکم محرم ۲۴ھ مطابق نومبر ۶۴۴ء اتوار کے دن کا واقعہ ہے۔

حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے سارے مدینہ میں ہیجان برپا ہوگیا۔ حضرت عبیداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان سابق حاکم ایران اور ایک عیسائی غلام جفینہ کو اپنے والد کو شہید کرنے کے شبہ میں قتل کر دیا۔ حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کو پتہ چلا تھا کہ ہرمزان سابق حاکم فارس (جس نے اسلام لانے کے بعد مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی) اور جفینہ نصرانی حضرت عمرؓ کے شہید کیے جانے سے پہلے ایک دن آپ کے قاتل ابولولو کے ساتھ خاص سرگوشی میں مصروف تھے اس پر انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ دونوں ان کے والد کی شہادت میں شریک تھے اور دونوں کو طیش کی حالت میں قتل کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ انہوں ان تینوں کو ایک جگہ آپس میں سرگوشی کرتے دیکھا۔ یہ ان کے پاس گئے۔ ان کو دیکھ کر وہ تینوں کھڑے ہوگئے اور گھبراہٹ میں ایک دو دھاری خنجر ان کے کپڑوں سے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ جب اس خنجر کو دیکھا گیا جس سے حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا تھا تو وہی خنجر تھا جو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے دیکھا تھا۔ جب حضرت عبیداللہ بن عمرؓ نے یہ واقعہ سنا تو ان کو یقین ہوگیا کہ ان کے والد کی شہادت ان تینوں کی سازش اور اشتراک عمل سے ہوئی ہے۔ جب تک حضرت عمرؓ زندہ رہے ابن عمر ضبط کیے رہے۔ لیکن جب آپ کی وفات ہوگئی تو شمشیر بدست پہلے ہرمزان کے پاس گئے اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جفینہ کے پاس گئے اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس وقت سعد بن ابی وقاص نے مداخلت کر کے زبردستی ان کو روکا اور ان کے ہاتھ سے تلوار چھین کر انہیں ان کے گھر میں بند کر دیا۔ جب حضرت عثمانؓ کی بیعت ہوچکی تو آپ نے عبیداللہ بن عمر کو بلایا اور ایک مجلس میں جہاں مہاجرین و انصار بیٹھے تھے، پوچھا:

"بتلاؤ اب ابن عمر کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

حضرت علی نے جواب دیا:

"میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو قتل کریں۔"

اس پر بعض مہاجرین کہنے لگے کہ حضرت عمرؓ کل شہید کر دیے گئے اور ان کے بیٹے کو آج قتل کر دیا جائے' یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

حضرت عمرو بن العاص نے کہا:

''امیرالمومنین! اگر یہ واقعہ آپ کے عہد حکومت میں ہوتا تو آپ کو بیشک انہیں قصاص میں قتل کر دینا چاہیے تھا لیکن اب ایسی صورت نہیں ہے۔ یہ واقعہ آپ کے عہد حکومت میں نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے ہو چکا تھا اس لیے اب آپ بری الزمہ ہیں۔''

یہ بات حضرت عثمانؓ کے دل کو بھی لگ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ:

''میں ان مقتولوں کا ولی ہوں اس لیے ان کی دیت اپنے ذمہ لیتا ہوں اور اپنے مال میں سے ادا کر دوں گا۔''

بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ حضرت عبید اللہ بن عمر شرعی نقطہ نگاہ سے قتل کے مرتکب ہوئے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے یہ فعل قصاص کے طور پر کیا تھا کیونکہ یہ بات تب کہی جا سکتی تھی جب وہ اصل قاتل کو قتل کرتے لیکن انہوں نے ان لوگوں کو قتل کیا جو حضرت عمرؓ کے قاتل نہیں تھے۔ کوئی ایسا شرعی ثبوت بھی موجود نہیں ہے جس سے ان کا اس قتل میں اشتراک ثابت ہو۔ قصاص تب واجب ہوتا ہے جب قتل کے تمام و کمال ثبوت موجود ہوں۔ قاتل اپنی زبان سے اقرار کرے اور حاکم وقت قصاص کا حکم دے۔ لیکن ان قرائن سے جو اس وقت پائے گئے ہرگز قصاص واجب نہیں ہوتا اور نہ شریعت ان قرائن کو موجودگی میں حد جاری کرتی اور سزا دیتی ہے۔ اس لیے ان حالات، و واقعات کی موجودگی میں عبیداللہ بن عمرؓ سے قصاص لینا واجب تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کا اس امر کی طرف اشارہ کرنا کہ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کی حکومت سے پہلے ظہور پذیر ہوا تھا۔ عبیداللہ بن عمرؓ کی بریت کے لیے کافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر حضرت عمرؓ زندہ ہوتے اور ان کے سامنے ان کے بیٹے یہی حرکت کرتے تو وہ ان پر لازماً شرعی حد جاری کرتے اور اس میں کسی رو رعایت کو دخل نہ دیتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ بعض مہاجرین کی طرح یہ نہ چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے شہید کیے جانے کا معاً بعد ان کا لڑکا بھی قتل کر دیا جائے اور ان کی خلافت کا آغاز گزشتہ خلیفہ کے لڑکے کے قتل سے ہو۔ اس واسطے انہوں نے اس الجھن سے نکلنے کے لیے حضرت عمرو بن العاص کی رائے پر عمل کیا۔ حضرت عمرو بن العاص ایسے معاملات میں بڑے مدبر اور اس قسم کی الجھنوں کے حل کرنے میں بڑے ماہر تھے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہرمزان کو مشتبہ حالت میں دیکھا گیا اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس

کی سرشت میں بدعہدی سرایت کر چکی تھی اور اس قسم کے کئی واقعات ان سے پہلے اس سے سرزد ہو چکے تھے۔ پھر اس کے متعلق جو کچھ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بیان کیا تھا' ان سب کی روشنی میں اس بات کے یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہرمزان' ابولوء لوء اور جفینہ اس قتل میں برابر کے شریک تھے اور اگرچہ خاص واقعہ قتل میں تینوں کا حصہ نہ بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس ناپاک ارادہ سے بے خبر نہیں تھے اور ان کو تمام سازش کا پوری طرح علم تھا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کی بیعت ہو چکی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے خطبہ دینا چاہا مگر ان کی زبان نے یاوری نہ کی اور وہ خطبہ نہ دے سکے۔

خلیفہ بننے کے بعد حضرت عثمانؓ نے مملکت اسلامیہ کے سب امراء اور عمال کے نام ایک خط لکھا جس کی عبارت یہ تھی:

اما بعد فان الله امر الائمه ان یکونوا رعاة ولم یتقدم الیهم ان یکونوا جباة۔ وان صدر هذه الامة خلقوا رعاة ولم یخلقوا جبلة۔ ولیوشکن ائمتکم ان یصیروا جباة ولا یکونوا رعاة۔ فاذا عادو اکذالك انقطع الحیاء والامانة والرفاء۔ الاوان اعدل السیرة ان تنظروا فی امور المسلمین وفیها علیهم فتعطوهم مالهم وتاخذوهم بما علیهم ثم تعتنوا بالذمة فتعطوهم الذی لهم وتاخذوهم بالذی علیهم ثم العدو الذی تنتابون فاستفتحوا علیهم بالوفاء۔

(ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ نے حاکموں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ امت کے نگہبان بنیں۔ محض خراج جمع کرنے والے نہ بنیں۔ اوائل اسلام کے لوگ نگہبان تھے محض خراج جمع کرنے والے نہیں تھے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم لوگ نگہبانی امت کے فرائض کو چھوڑ کر کہیں صرف خراج جمع کرنے میں نہ لگ جاؤ۔ اگر ایسا ہوا تو حیاء' امانت اور وفا سب تم سے رخصت ہو جائے گی۔ بہترین عدل یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے امور میں غور کرو۔ جو ان کا حق تم پر ہے وہ انہیں دو اور جو تمہارا حق ان پر ہے وہ ان سے لو۔ پھر ذمیوں کا جو حق تم پر ہے وہ انہیں

دو اور تمہارا جو حق ان پر ہے ان سے لو۔ اس کے بعد دشمن کی طرف متوجہ
ہو اور اس پر فتح پاؤ لیکن جو اس سے وعدہ کرو وہ ضرور پورا کرو۔"

سرحدوں پر فوجیں پڑی تھیں ان کے افسروں کو یہ خط لکھا:

امابعد فانکم حماة الاسلام وزادتهم وقد وضع لکم عمر مالم یغب عنابل کان عن ملامنا۔ ولا یبلغنی عن احدمنکم تغییر ولاتبدیل فیغیر الله بکم و یستبدل بکم غیر۔ فانظروا کیف تکونون فانی انظر فیما الزمنی الله النظرفیه والقیام علیه۔

(ترجمہ) "تم اسلام کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچانے والے اور اس کے محافظ ہو۔ حضرت عمرؓ نے تمہارے لیے جو ضابطہ مقرر کیا تھا وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خبردار! مجھے تم میں سے کسی کے متعلق یہ خبر نہ پہنچے کہ اس کی سرشت میں تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ تمہاری بجائے دوسرے بہترین آدمیوں کو لے آئے گا۔ تم اپنی حالتوں پر نظر کرتے رہا کرو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمہ کیا ہے میں اس کی نگہداشت کروں گا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہوں گا۔"

عمال خراج کو اس مضمون کا خط لکھا:

اما بعد فان الله خلق الخلق بالحق فلا یقبل الاالحق خذوا الحق واعطوا الحق بہ والا ملنة بالامانة۔ قوموا علیها ولاتکونوا اول من یسلبها فتکونوا شرکاء من بعدکم الیٰ مااکتسبتم والوفاء بالوفاء۔ لاتظلموا الیتیم ولا المعاهد فان الله خصم لمن یظلمهم۔

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ حق ہی کو قبول کرتا ہے۔ حق لو اور اسکے بدلے میں حق ہی دو۔ امانت' امانت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس پر مضبوطی سے قائم رہو اور ان لوگوں میں سے نہ بنو جو امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ اس طرح تم اپنے بعد آنے والے خائنوں کے ساتھ شریک ہوگے۔ وفا وفا کے ساتھ ہوتی ہے تم یتیم پر اور جس کے ساتھ معاہدہ کیا ہو اس پر ظلم نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دشمن ہے جو ان لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔"

عامۃ المسلمین کو یہ پیغام دیا:

اما بعد فانما بلغتم مابلغتم بالاقتداء والاتباع فلا تلفتنکم الدنیا عن امرکم فان امر ھذا الامۃ صائر الی الا بتداع بعد اجتماع ثلاث فیکم۔ تکامل النعم۔ وبلوغ اولادکم من السبایا۔ وقراءۃ الاعراب والاعاجم القران وقد قال رسول اللہ "الکفر فی العجمۃ فاذا استعجم علیھم امر تکفلوا وابتدعوا۔"

(ترجمہ) "تمہیں اقتداء اور اتباع کا حکم ہے مجھے ڈر ہے کہ تمہیں دنیا کی محبت تمہارے فرائض سے ہٹا نہ دے۔ کیونکہ تین چیزوں کے جمع ہو جانے کے بعد یہ امت بدعتوں کی طرف راغب ہونا شروع کر دے گی۔

وہ تین چیزیں یہ ہیں:

1- نعمت کا کامل ہونا۔

2- تمہاری اولادوں کا کنیزوں کے بطن سے ہونا۔

3- اعرابیوں اور عجمیوں کی علیحدہ قرات

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: عجمیت میں کفر کے جراثیم ہوتے ہیں۔ جب عجمیت مسلمانوں پر غالب آ جائے گی تو وہ تکلف اور بدعتیں کرنے لگیں گے۔"

حضرت عمرؓ کے اواخر عہد اور حضرت عثمانؓ کے اوائل عہد میں سلطنت اسلامیہ کے مختلف شہروں کے مندرجہ ذیل امیر تھے:

مکہ: نافع بن عبدالحارث الخزاعی
طائف: سفیان بن عبداللہ الثقفی
صنعاء: یعلی بن منبہ (جزیرہ عرب)
جند: عبداللہ بن ابی ربیعہ
بحرین اور اس کا متعلقہ علاقہ: عثمان بن ابی العاص الثقفی
کوفہ: مغیرہ بن شعبہ
بصرہ: ابوموسیٰ اشعری (عراق)
دمشق: معاویہ بن ابی سفیان
حمص: عمیر بن سعد (شام)
مصر: عمرو بن العاص

(6)

آرمینیا میں فتوحات اسلامیہ

حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں اسلامی فوجیں ایران میں داخل ہو رہی تھیں۔ سلطنت
ما پر حملہ کر رہی تھیں۔ مصر پر دھاوا بول رہی تھیں۔ لیکن ان فتوحات میں سے کوئی بھی تکمیل کو
پہنچی تھی۔ ایک نہ ایک لشکر اسلامی فوج کو دیار فارس میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی کوششوں
ں مصروف نظر آتا تھا۔ شام اور اطراف اناطولیہ کا بھی یہی حال تھا اور افریقہ کی فتوحات تو ابھی
یں ہی ابتدائی حالت میں۔

عہد فاروقی میں مسلمانوں نے تمام شام کو فتح کر لیا تھا یہاں تک کہ وہ اناطولیہ
رکی) اور آرمینیا(1) کی حدود تک پہنچ گئے تھے۔ مورخین عرب کہتے ہیں کہ عربی لشکر نے
رمینیا پر دوبار فوج کشی کی۔ پہلی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور دوسری بار حضرت عثمانؓ کے عہد
ں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں آرمینیا کی فتح 18ھ میں ہوئی تھی اور حضرت عثمانؓ کے عہد
ں 26ھ میں۔

ایک ضروری امر قابل ذکر یہ ہے کہ بکیر بن عبداللہ اور عتبہ بن فرقد نے خلافت عمرؓ
کے زمانہ میں آذر بائیجان کو فتح کر لیا تھا جو آرمینیا کے مشرق میں واقع ہے۔ بکیر نے حضرت عمرؓ
کو فتح کی خوشخبری بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے سراقہ بن عمرو کو باب اور دربند پر چڑھائی کرنے اور
حبیب بن سلمۃ الفہری کو سراقہ کی (جو اس وقت جزیرہ میں تھے)' مدد کے لیے حکم دیا۔ جب
سراقہ باب کی فتح سے فارغ ہوئے تو آپ نے امراء اور سالاران افواج کو آرمینیا کے اردگرد
کے علاقے کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ بکیر بن عبداللہ کو موقان کی طرف۔ حبیب بن سلمہ کو
تفلیس کی طرف۔ حذیفہ بن یمان کو بلاد قوقاز اور کوہستان قوقاز کی طرف ان علاقوں کے لوگوں
نے اسلامی افواج کا مقابلہ کیا لیکن بے سود۔ اس کے بعد سالاران عساکر مغربی آرمینیا اور
آئبیریا کی طرف (جو موجودہ گرجستان کا ایک حصہ ہے) متوجہ ہوئے۔ حبیب بن سلمہ نے

---

(1) آرمینیا کا محل وقوع حسب ذیل ہے۔ شمال میں بحر متوسط اور گرجستان' مشرق میں گرجستان اور ایران کا کچھ حصہ' جنوب
میں کردستان اور مغرب میں ایشیائے کوچک۔ یہ محل وقوع آج کل کے جغرافیہ کے لحاظ سے ہے۔ لیکن ابتدائی ایام میں بعض اور
علاقے بھی آرمینیا میں شامل تھے۔ چنانچہ عربوں نے بلاد قوقاز اور کردستان کے ایک حصہ کو بھی آرمینیا میں شامل کر رکھا تھا۔ اسی
وجہ سے مورخین عرب نے قائم کی فتح کی طرح قوقاز کی فتح کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کو آرمینیا ہی میں شامل سمجھا۔

تفلیس اور اس کے تمام بڑے بڑے شہر فتح کر لیے۔ اسی اثناء میں سراقہ کی وفات ہوگئی اور ان کی جگہ عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو مقرر کیا گیا۔ ان کو حضرت عمرؓ نے باب کی سرحد پر ٹھہر جانے اور ترکوں سے لڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ شہر باب سے گزرتے ہوئے شمال کی طرف بڑھتے چلے گئے اور بحیرۂ خزر کے ساحل پر اکثر کوہستانی شہروں نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں انہوں نے شہادت پائی۔ ان کی فتوحات کا دائرہ مشرقی آرمینیا میں قوقاز کے شمالی علاقہ تک وسیع ہوگیا تھا۔

یہ سب فتوحات حضرت عمرؓ کے عہد میں 18ھ سے لے کر 20ھ تک مکمل ہوگئیں۔ مگر یہ فتوحات پائیدار اور مضبوط بنیادوں پر نہ تھیں۔ بلکہ ان علاقوں کے رہنے والوں نے جزیہ دینے کی شرط قبول کر لی تھی اور سلطنت اسلام کے مطیع ہوگئے تھے۔ مسلمانوں کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ ان پر مکمل قبضہ کر کے وہاں امن بحال کر سکتے اور صرف اپنی ہی علمداری قائم کر سکتے۔

باقی رہا ان علاقوں کو مطیع کرنے کا سوال تو اس کی غرض صرف یہ تھی کہ ان اقوام کو مرعوب کیا جائے جو عرب کے اردگرد آباد تھیں تاکہ وہ اسلامی شہروں پر حملہ کرنے کی جرات نہ کر سکیں۔ ایسا پہلے ہو بھی چکا تھا کہ دریائے ترک پر خزری جماعتوں نے سر اٹھایا اور چونکہ عربوں کی تعداد یہاں بہت کم تھی اس لیے انہوں نے ان کو آرمینیا سے نکال دیا۔ لیکن مسلمان 26ھ مطابق 646ء میں ایک زبردست جمعیت کے ساتھ پھر حملہ آور ہوئے اور اس علاقہ پر دوبارہ قابض ہوگئے۔ اسی سال حضرت عثمانؓ نے ان شہروں کو' جو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے' اسلامی مقبوضات میں شامل کرنے اور آرمینیا اور قوقاز کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے حبیب اور سلمان کو بھیجا تھا چنانچہ ان دونوں نے تمام چھنا ہوا علاقہ دوبارہ اسلامی سلطنت میں شامل کر دیا۔ گو درمیان میں تھوڑے عرصہ کے لیے وہاں بغاوت کی آگ بھڑکی لیکن پھر مسلمانوں کی سلطنت اس علاقہ میں خوب مستحکم ہوگئی۔

جب حضرت عثمانؓ کے عہد میں آرمینیا میں بغاوت ہوئی تو 26ھ (646ء) میں آپ نے حضرت معاویہ بن سفیان کو جنہیں آپ شام اور جزیرہ کا گورنر بنا چکے تھے حکم دیا کہ وہ دوبارہ آرمینیا پر چڑھائی کریں۔ حضرت معاویہ نے حبیب بن مسلمۃ الفہری کو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی آرمینیا پر چڑھائی کر چکے تھے' چھ ہزار فوج دے کر وہاں بھیجا۔ حبیب بن مسلمہ نے قالیقلہ کا محاصرہ کر لیا۔ جب شہر والوں کو ہر طرف سے مدد پہنچنی بند ہوگئی تو وہ مجبوراً اس شرط پر صلح کے طالب ہوئے کہ اگر ان کو امان دے دی گئی تو وہ جزیہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ

شرط قبول کر لی گئی۔ قالیقلا کو سر کر لینے کے بعد وہاں کے کئی باشندوں کو جلا وطن کر دیا گیا
ونکہ وہ سخت فتنہ پرداز اور فسادی تھے۔

حبیب نے قالیقلا کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے نظم ونسق کی درستی اور اپنی پوزیشن
ے استحکام کی طرف توجہ دی۔ اسی اثناء میں انہیں یہ خبر پہنچی کہ آرمینیا کے بطریق ''موریان'' نے
سلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے زبردست فوج اکٹھی کی ہے۔ حبیب نے حضرت عثمانؓ کو
مک بھیجنے کے لیے لکھا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو حکم دیا کہ شام اور جزیرہ کے لوگوں کو
اد کی ترغیب دے کر حبیب کی مدد کے لیے بھیجو۔ چنانچہ انہوں نے دو ہزار آدمی بھیجے جن کو
یب نے قالیقلا میں ٹھہرایا اور ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ حضرت عثمانؓ نے سعید بن
ص امیر کوفہ کو بھی لکھا کہ وہ سلمان بن ربیعہ کی سرکردگی میں ایک لشکر حبیب کی مدد کے لیے
بھیجیں۔ سلمان بڑے بہادر' صاحب عزم وہمت اور جنگی چالوں کے زبردست ماہر تھے۔ وہ کوفہ
سے چھ ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر چلے اور دریائے فرات پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

ادھر جب حبیب کے پاس کمک پہنچنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ دشمنوں پر
شبخون مارنا چاہیے تاکہ ان کے حملہ سے قبل انہیں مرعوب کیا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی
کیا۔ شبخون مار کر دشمن کو تہس نہس کر دیا اور رومیوں کے سردار کو قتل کر ڈالا۔

اس معرکہ میں عورتوں نے بھی بہادری اور جوش و ہمت کے زبردست کارنامے
سرانجام دئے۔ چنانچہ جس رات لشکر اسلام نے رومی لشکر پر شبخون مارا تو حبیب کی بیوی
ام عبداللہ کلبیہ نے اپنے خاوند سے پوچھا:

''اب کہاں کا قصد ہے۔''

حبیب نے جواب دیا:

''موریان بطریق روم کے خیمہ کا یا جنت کا۔''

حبیب کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب وہ بطریق کے خیمہ پر پہنچا تو اپنی بیوی کو
وہاں موجود پایا۔

عورتوں کی شجاعت کی یہ ایک مثال نہیں ہے بلکہ عربوں کی ابتدائی فتوحات کے زمانہ
میں عورتیں ہر جنگ میں مردوں سے پیش پیش رہتی تھیں اور مردوں کو بہادری' جرات' اخلاص
اور قربانی کے سبق سکھاتی تھیں۔

اس معرکہ کے بعد کوفہ کی فوجیں بھی حبیب کی مدد کے لیے پہنچ گئیں۔ اب حبیب نے

سوچا کہ وہ اپنے لشکر کو مغربی آرمینیا کی فتح کے لیے آگے بڑھائیں۔ ادھر سلمان نے مشرقی آرمینیا کو فتح کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔ ان دونوں کی ہمت و کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ حبیب شمالی آرمینیا میں قوقاز کے علاقہ تک پہنچ گئے اور مسلمانوں نے مشرقی آرمینیا میں بحر خزر (جس کو بحر طبرستان بھی کہا جاتا ہے) تک پہنچ کر دم لیا۔

(7)

ایران میں فتوحات

ایران کی حدود خلفاء راشدین کے عہد میں موجودہ ایران کی حدود سے بہت وسیع تھیں۔ اس زمانہ میں بلوچستان' افغانستان' آذر بائیجان' کردستان اور مشرقی آرمینیا کا وہ حصہ جو بحر قزوین سے ملتا ہے' سب مملکت ایران میں شامل تھے۔ مسلمانوں نے اس کے اکثر حصہ کو فتح کر لیا تھا اور ان علاقوں میں جو عرب کی سرحد سے ملتے تھے۔ مسلمانوں کی پائیدار سلطنت قائم ہو گئی تھی لیکن وہ علاقے جو عرب کی سرحد سے دور تھے وہاں مسلمانوں کا قبضہ اور تسلط مستحکم نہ تھا۔ بعض حصے ایسے بھی تھے جہاں عہدِ فاروقی میں مسلمان پہنچے بھی نہ تھے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے تیسرے سال کردوں نے بغاوت کی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس بغاوت کو فرو کرنے اور باغیوں کو مغلوب کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی لیکن ساتھ ہی یہ کام بھی کیا کہ اپنا سارا مال و متاع چالیس خچروں پر بار کر لیا۔

اہلِ بصرہ یہ دیکھ کر کہ ہمارے حاکم کے پاس اس قدر ساز و سامان ہے' بہت سیخ پا ہوئے اور ان کے ایک وفد نے حضرت عثمانؓ سے جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰؓ کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر قرشی کو مقرر کیا جو اس وقت پچیس سال کے تھے نیز ابوموسیٰ اور عثمان بن ابی العاص والی عمان و بحرین کا سارا لشکر عبداللہ بن عامر کی زیر سرکردگی کر دیا۔ عبداللہ نے عبیداللہ بن معمر کو خراسان سے ہٹا کر فارس بھیج دیا اور خراسان کا والی عمر بن عثمان بن سعد کو بنا دیا۔ یہ تبدیلیاں کرنے کے بعد انہوں نے اپنے لشکر کو ساتھ لے کر پیش قدمی شروع کی اور بڑھتے بڑھتے فرغانہ تک پہنچ گئے۔ دوسرے امراء کو بھی انہوں نے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور اس طرح مسلمانوں کا

لشکر چین کی حدود تک جا پہنچا۔

کچھ عرصہ بعد اہلِ فارس نے عبیداللہ بن معمر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اصطخر کے مقام پر دونوں فریقوں کا مقابلہ ہوا' جس میں عبیداللہ شہید ہوئے۔ جب یہ خبر ابن عامر کو پہنچی تو وہ ایک لشکر لے کر فارس کی طرف روانہ ہو گئے۔ اصطخر کے مقام پر ایرانیوں کی فوجوں سے ان کا مقابلہ ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اصطخر کو فتح کرنے کے بعد ابن عامر نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور جور کے شہروں کو فتح کیا۔ اس اثناء میں اصطخر والوں نے پھر بغاوت کر دی۔ ابن عامر لوٹے اور اصطخر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ طویل عرصہ تک جاری رہا۔ آخر منجنیقوں کے ذریعہ شہر پر سنگ باری کر کے اس کو فتح کر لیا۔ اس جنگ میں ہزاروں ایرانی مارے گئے۔

ان فتوحات سے فارغ ہو کر ابن عامر بصرہ واپس ہوئے۔ ابھی وہ بصرہ پہنچے بھی نہ تھے کہ انہیں خراسان میں بغاوت کی خبریں ملیں۔ وہ زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام بنا کر خراسان کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ بجستان کو فتح کرنے کے لیے ربیع بن زیاد حارثی کو اور کرمان کو مغلوب کرنے کے لیے مجاشع بن مسعود سلمی کو مقرر کیا۔ اس کے بعد نیشا پور روانہ ہوئے۔ ہراول دستہ پر احنف بن قیس کو متعین کیا۔ سب سے پہلا مقابلہ ''طبسین'' پر ہوا۔ یہ دو قلعے تھے اور خراسان کے لیے دروازوں کا کام دیتے تھے۔ ان کو فتح کرنے کے بعد فوج کے سرداروں کو نیشاپور کے علاقوں کی طرف روانہ کیا اور انہوں نے اس کے اردگرد کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔

احنف بن قیس طخارستان کی طرف چلے۔ پہلے سواد بخرد پہنچے۔ وہاں کے باشندوں نے تین ہزار درہم پر صلح کر لی۔ پھر مروالروز کی طرف رخ کیا۔ پہلے تو وہاں کے باشندے مقابلہ میں آئے۔ لیکن پھر صلح کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے بلغ نامی قصبہ پر قبضہ کر لیا۔

جب اہل طخارستان نے دیکھا کہ احنف بڑھتے ہی چلے آتے ہیں تو انہوں نے ایرانیوں اور ترکوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا۔ احنف نے ان کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد وہ بلخ کی طرف روانہ ہوئے جو طخارستان کا دارالحکومت تھا اور اس کو بھی فتح کر لیا۔

باقی سرداران فوج میں سے مجاشع بن مسعود کرمان گئے۔ پہلے انہوں نے دارلحکومت سیرجان کو فتح کیا۔ اس کے بعد اردگرد کے شہروں اور علاقوں پر حملے کرنے شروع کیے۔ ربیع بن زیاد حارثی بجستان پہنچے اور تمام علاقہ فتح کر لیا۔ عبداللہ بن حازم نے قارن کا رخ کیا اور اسے

فتح کر لیا۔

اہلِ جرجان اور اہلِ طبرستان خلفاء راشدین کے تمام عہد حکومت میں یہاں تک دولت امویہ کے اوائل عہد تک بغاوتوں اور سرکشیوں میں مصروف رہے۔ ان کو سلیمان عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں یزید بن مہلب نے پوری طرح مطیع کیا۔

ابن عامر اتنی بڑی فتح حاصل کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کے اس احسان کے شکریہ طور پر حج کے لیے روانہ ہوئے اور سارا راستہ پیدل طے کیا۔

عہد عثمانؓ کا ایک قابل ذکر واقعہ ایران کے یزدجرد کسریٰ کا قتل ہے۔ وہ مسلما کے لشکروں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا تھا اور دوبارہ اپنی فوجوں کو اسلامی لشکر حملہ کرنے اور اپنے آباؤ اجداد کا ملک واپس لینے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں قتل کر دیا گیا۔ اسکے قتل کی وجوہ میں مو کا زبردست اختلاف ہے۔ سیدیو کہتا ہے کہ شہنشاہ چین نے پہلے تو یزدجرد کی مدد کی۔ لیکن اس کو مرغاب کے کنارے قتل کرا دیا۔

یزدجرد کے قتل سے اس ساسانی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ جس نے ایرا تین سو انتیس (329) سال بڑی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کے ساتھ حکومت کی تھی۔

(8)

رومی سلطنت میں فتوحات

مشرقی روم میں اسلامی فتوحات کچھ عرصہ تک رکی رہیں۔ رومی لوگ اس درمیانی زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی شہادت سے پہلے زبردست تیاریوں، سرحدوں کو مضبوط اور اپنے اندرونی خلفشار کو دور کرنے میں لگے رہے، اس خوف سے کہ کہیں فتوحات اسلامیہ اناطولیہ کا رخ کر لیں۔ مسلمانوں نے بھی اپنے دشمن کے خوف و خطر اور تیاریوں کو بھانپ لیا لیکن خاموش رہے۔ انہیں تیاری کا پورا موقع دیا اور اس دوران میں ایران و آرمینیا کی طرف اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔

25ھ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے جو اس وقت شام کے گورنر تھے روم کے دو صوبوں قبادو قیا (جو ایشیاء کوچک کے مشرقی حصہ میں آرمینیا کے متصل واقع ہیں) اور فر

(جو ایشیاء کوچک کے درمیانی حصہ میں واقع ہے) چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے عموریہ کو جو ایک بڑا شہر تھا اور اناطولیہ کے راستہ میں واقع تھا' فتح کر لیا۔ لیکن اس خیال سے کہ رومیوں نے اپنے شہروں کے دفاع کے لیے اس علاقہ میں بڑی زبردست قوت جمع کر رکھی ہے نیز یہ علاقے ان کے دارالحکومت سے بہت قریب واقع ہیں اور رومی بڑی آسانی سے ان کے علاقے پر چڑھائی کر سکتے ہیں' اپنے حملہ میں زیادہ شدت اختیار نہ کی اور اس کو زیادہ طول نہ دیا۔

حضرت معاویہؓ قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بہت زیادہ خواہشمند تھے۔ لیکن راستوں کی ناہمواری' پہاڑوں کی کثرت اور ذرائع آمدورفت کے مسدود ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ اس علاقہ پر سمندر کی طرف سے حملہ کرنا زیادہ سودمند ثابت ہوگا۔

ان کا یہ خیال حضرت عمرؓ کے زمانہ سے تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے قبرص فتح کرنے کی اجازت بھی مانگی تھی اور آپ کو لکھا تھا: چونکہ یہ ساحل پر واقع ہے اس لیے بڑی آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال کی سخت مخالفت کی تھی اور انہیں جواب میں لکھا تھا کہ آج کے بعد اس کا ذکر بھی زبان پر نہ لانا۔

حضرت معاویہؓ اس وقت تو چپ ہو گئے مگر اس علاقہ کو فتح کرنے کا خیال ان کے دل میں برابر چٹکیاں لیتا رہا۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے ان کو سمندر کے راستے رومیوں پر چڑھائی کرنے کی اجازت دے دی۔

حضرت معاویہؓ نے ساحل شام پر ایک جنگی بیڑا تیار کرایا اور اس وقت کے عامل مصر حضرت عبداللہ بن ابی سرح کو ایک اور بیڑا تیار کرنے کے لیے لکھا۔ جب یہ دونوں بیڑے تیار ہو گئے تو ان کی مدد سے قبرص پر حملہ کر دیا۔ اہل قبرص نے مسلمانوں کا زبردست مقابلہ کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اس نئے عربی بیڑے کا مقابلہ کرنا ان کی طاقت سے باہر ہے تو انہوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ صلح کے ساتھ ہی مسلمانوں نے یہ شرط بھی پیش کی کہ دشمنوں پر حملہ کرنے کے لیے انہیں قبرص سے گزرنے اور اس کو استعمال کرنے کی بھی اجازت ہوگی۔

اب قبرص نے بحر ابیض میں مسلمانوں کی ایک جنگی چھاؤنی اور اہل شام اور ان کے جنگی بیڑوں کے درمیان جنہوں نے اب اس سمندر میں گشت شروع کر دیا تھا خط اتصال کی حیثیت اختیار کر لی۔ ان کے جنگی بیڑے اب بوقت ضرورت قبرص پہنچ کر بڑی آسانی سے لنگر

انداز ہو سکتے تھے۔

بری لحاظ سے تو مسلمان اس وقت دنیا میں سب سے زبردست قوم تھے ہی مگر 28ھ میں قبرص فتح کر لینے کے بعد بحری لحاظ سے بھی ان کی دھاک تمام یورپ اور افریقہ میں بیٹھ گئی۔ ایسی مملکت کے لیے جو اس قدر وسیع ہو' اپنے ساحلی علاقوں کی حفاظت اور ان کو رومیوں کے حملوں سے بچانے کے لیے ایک ایسی قوم کی حمایت کی ضرورت تھی جو بیچ سمندر میں آباد ہو اور بوقت ضرورت وہاں مسلمانوں کا جنگی بیڑہ آ کر ٹھہر سکے۔ قبرص کی فتح سے مسلمانوں کا یہ مقصد پورے طور پر حاصل ہو گیا۔

عبداللہ بن قیس حارثی وہ پہلے امیر البحر تھے جنہوں نے حضرت معاویہؓ کے تیار کیے ہوئے جنگی بیڑے کی قیادت کی۔ یہ بہادری اور جرات میں میں عدیم المثال تھے۔ انہوں نے تقریباً پچاس بحری جنگیں لڑیں لیکن اس دوران میں نہ ان کے لشکر کا کوئی سپاہی غرق ہوا اور نہ کسی جہاز کو نقصان پہنچا۔ ان کی شہرت ان کی زندگی میں سواحل روم اور بحرا بیض کے تمام کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس باب میں ان کثیر علاقوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کے زیر تسلط علاقے میں بڑھا دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں معاویہؓ صرف دمشق اور اردن کے حاکم تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے حمص قنسرین اور اس کے بعد فلسطین اور جزیرہ کا کچھ حصہ بھی ان کی نگرانی میں دے دیا اور ان علاقوں کے زیر تسلط آ جانے کی وجہ سے ان کی حکومت تمام شام اور فلسطین کو محیط ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں امیر معاویہؓ اپنی مہمات' سیاست اور ہر قسم کے امور کی انجام دہی میں تقریباً مختار کل تھے۔ ان کا شمار ان والیوں میں نہ ہوتا تھا جن کو ہر کام کی انجام دہی میں بارگاہ خلافت سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو اپنی سلطنت کا نصف حصہ سپرد کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس خوش اسلوبی سے حکومت چلائی اور اپنے حسن انتظام' عقلمندی اور ذکاوت کی وجہ سے اہلِ شام کے دل میں اتنا گھر کر لیا کہ وہ ان کے بجائے کسی اور والی کا وجود اور کسی دوسرے حاکم کے احکام کی تعمیل برداشت نہ کر سکتے تھے۔

(9)

اسلام افریقہ میں

حضرت عثمانؓ العاص جیسا کہ مورخین عرب بیان کرتے ہیں' نہایت نڈر اور

[معرو]ف شخص تھے۔ جب وہ مصر پر قابض ہو گئے اور رومیوں کو وہاں سے ہٹتے ہی بن پڑی تو انہوں نے اپنی توجہ صحرا اور بلاد مغرب کی طرف مبذول کی اور تھوڑی سی فوج لے کر ریگستان قطع کرتے [ہو]ئے برقہ تک پہنچ گئے جو مغربی جانب' مصر کی آخری حد ہے۔ اور اس پر حملہ کر کے تین ہزار [د]ینار سالانہ جزیہ پر وہاں کے باشندوں سے صلح کر لی۔

برقہ کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے عقبہ نافع کو برقہ کے اردگرد کے علاقہ [می]ں بھیجا اور وہ زویلہ تک جا پہنچے۔اس کے بعد عمروؓ بن العاص خود 22ھ میں طرابلس پہنچے۔ (1) [اس]ں کی فصیلیں برقہ کی فصیلوں سے کہیں زیادہ مضبوط تھیں اور یہاں فوج بھی بھاری تعداد میں [م]وجود تھی جس نے برابر ایک مہینہ (2) تک عربوں کو روکے رکھا۔ تاہم اہل طرابلس زیادہ محاصرہ [ک]ی تاب نہ لا سکے اور بھوک سے نڈھال ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں نے سمندر کی [ج]انب سے شہر پر قبضہ کر لیا اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص اردگرد کے قبائل کو مطیع کر کے [ب]رقہ واپس آ گئے۔

بعد ازاں انہوں نے تیونس پر چڑھائی کرنے کی ٹھانی' لیکن حضرت عمرؓ کے ڈر سے پہلے اجازت کے لئے لکھا جو منظور نہ ہوئی اور حکم ملا کہ جہاں ہو وہیں ٹھہرے رہو۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ اسلامی فوج مصائب و مشقت سے محفوظ رہے۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان اپنی حالت کو بہتر بنائیں۔ نئی فتوحات سے پہلے اپنے مفتوحہ علاقوں کا نظم ونسق درست کریں۔ ان کے خیال میں حضرت عمروؓ بن العاص کا اس وسیع علاقہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ حملہ آور ہونا محض اپنی قوت کو ختم اور اپنی فوج کو کمزور کرنا تھا۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اولاً مصر کو رومیوں کے حملوں سے محفوظ کیا جاتا۔ کیونکہ رومی یہ سننے کے بعد کہ حضرت عمروؓ بن العاص مصر چھوڑ کر صحرا میں داخل ہو گئے ہیں مصر کو دوبارہ ہتھیانے کے لئے اپنی قوتیں جمع کر رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب عمرو بن العاص کو صحرا میں داخل ہونے' تیونس پر حملہ کرنے اور اس طرح مصر کو خالی چھوڑ دینے سے منع کیا تھا تو ان کے پیش نظر یہی باتیں تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ رومی مصر کو آسانی سے چھوڑنے والے نہیں۔ ادھر مصر میں بھی ایک ایسا گروہ تھا جس نے

---

(1) بلاذری اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: طرابلس کے معنی ہیں تین شہر "طر" کے معنی "تین" اور "بلس" کے معنی "شہر" یہ سمندر کے کنارے واقع ہے اور اسکی فصیل پتھر کی ہے۔

(2) یاقوت حموی "معجم البلدان" میں تین ماہ کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن ابن خلدون ایک ماہ بیان کرتا ہے۔

اپنی امید کا دامن رومیوں کے دامن سے باندھ رکھا تھا اور وہ کسی مناسب موقعہ کے انتظار میں تھا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ان رومیوں نے جو اسکندریہ میں مقیم تھے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور شہنشاہ قسطنطنیہ کو لکھا یہ موقع اچھا ہے اسکندریہ آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے ایک ہزار لڑنے والوں سے زیادہ یہاں موجود نہیں ہیں اور وہ آسانی سے ختم کیے جا سکتے ہیں۔ پھر جب یہاں کے مسلمان باشندے رومیوں کے جہاز دیکھیں گے تو ان کے ہوش اڑ جائیں گے اور وہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

شہنشاہ روم اس امر کی دلی خواہش رکھتا تھا کہ وہ اس وسیع' سرسبز و شاداب علاقے کو دوبارہ اپنی حکومت میں شامل کر لے۔ اس نے فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ طی الکنمان میں اسکندریہ سے جنگ کرنے کے لئے ایک بحری بیڑا بھی موجود تھا۔ رومی اپنے بیڑوں کی وجہ سے بحر متوسط کے بحری سردار شمار ہوتے تھے۔ عربوں کو سمندر کی طرف سے کسی حملے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ اسلئے انہوں نے اس علاقہ میں نہ اپنا کوئی بیڑا تیار کر رکھا تھا اور نہ کوئی فوجی انتظام کیا تھا۔

رومی بیڑا تین سو کشتیوں پر مشتمل تھا۔ ان کی قیادت ایک بطریق مانویل کے سپرد تھی۔ یہ بیڑا 645ء میں طی الکنمان سے چلا اور اسکندریہ کی بندرگاہ میں رات کو داخل ہو کر لنگر انداز ہو گیا۔ رومی اسکندریہ کے عیسائی باشندوں کی مدد سے شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے عربی فوج اور ان کے مددگاروں پر حملہ کیا اور عربوں کے بہت کم آدمی زندہ نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔

مانویل سکندریہ پر تسلط قائم کرنے اور اس کو اپنا فوجی اڈہ بنانے کے بعد اس کے قریبی علاقوں کی طرف متوجہ ہوا اور رومیوں اور اپنے مددگاروں کی اعانت سے ان پر بھی قبضہ کر لیا لیکن قبطی باشندے مسلمانوں کے عدل و انصاف کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ رہے۔

حضرت عمرؓ بن العاص کے متعلق بعض مورخین کہتے ہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ کے سر آرائے خلاف ہونے کے بعد مصر چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ایسا نہیں تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ اس حملہ کے وقت وہ مصر میں ہی موجود تھے۔ انہوں نے ہی اس فتنہ کا سر کچلا تھا اور اس کے شعلوں کو بجھایا تھا۔

حکومت روما کی تاریخ بیان کرنے والے بعض مورخین رومی لشکر کے قائد بطریق مانویل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے ایک قیمتی موقعہ محض اپنی سستی اور ناتجربہ کاری

بدولت اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ وہ لکھتے ہیں اس کو چاہیے تھا کہ وہ بابلیون کے قلعہ پر حملہ کر کے اس عظیم جنگی مرکز پر قبضہ کر لیتا جس کی وجہ سے وہ تمام زیریں مصر پر اپنا تسلط بہت آسانی کے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ سکندریہ کے قریبی علاقوں کو فتح کرنے میں لگا رہا۔ جن کی کوئی جنگی اہمیت نہ تھی اور عربوں کو اس بات کا کافی موقعہ دے دیا کہ وہ اپنی طاقت کو مجتمع کر لیں اور دوبارہ منظم ہو جائیں۔

قلعہ بابلیون کی فوجوں کے سردار خارجہ بن حذافہ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مشورہ دیا کہ دشمن کو بابلیون تک پہنچنے کا موقعہ نہ دیا جائے بلکہ خود آگے بڑھ کر اور اسکندریہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کی رائے نہ مانی۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ رومی آگے بڑھیں اور قبطیوں سے ان کا تصادم ہو کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رومی قبطیوں کو عربوں کی حمایت کے جرم میں ضرور نشانہ ستم بنائیں گے۔ چنانچہ ان کا خیال ٹھیک نکلا۔ رومیوں نے قبطیوں کے اموال اور قیمتی چیزیں لوٹ لیں جس سے وہ اور بھی ان کے خلاف بھڑک اٹھے اور رومیوں سے ان کی نفرت میں دگنا چوگنا اضافہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے وہ کھلم کھلا عربوں کی مدد کرنے اور رومیوں کے راستے میں روڑے اٹکانے لگے۔

جب فسطاط میں یہ خبر پہنچی کہ رومی قلعہ بابلیون کی طرف بڑھتے چلے آتے ہیں اور نقیوس کے قلعہ کے بالکل قریب ہیں تب حضرت عمروؓ بن العاص ان سے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے اور پندرہ ہزار فوج لے کر ان سے لڑنے کیلئے نکلے۔ نقیوس کے قلعہ کے قریب بڑا سخت معرکہ پیش آیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص اپنے گھوڑے کی گردن کاٹ کر بڑی بے جگری سے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ بطریق مارا گیا۔ رومی فوج اسکندریہ کی طرف بھاگی اور وہاں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ قریبی دیہات کے قبطی بھی اپنی استطاعت کے مطابق ان کی ہر ممکن مدد کرتے تھے۔ آخر کار وہ اسکندریہ پہنچے اور اس کا دوبارہ محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے اس کی فصیلوں کو منہدم کرنا چاہا۔ لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

محاصرہ نے کچھ زیادہ طول نہ کھینچا۔ مسلمان سخت مقابلہ کرنے کے بعد شہر پر قبضہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور رومیوں کو انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔

جب حضرت عمروؓ بن العاص اسکندریہ پر قبضہ کر چکے اور وہاں کی فصیلوں کو منہدم کرا چکے تو یکا یک حضرت عثمانؓ کا پروانہ آیا جس میں ان کو بطور افسر خراج معزول کر دیا گیا تھا اور ان کی جگہ اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ بن ابی سرح کو مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے اس حکم کی مخالفت کی کیونکہ وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا شخص مصر کے معاملات اور اس کے نظم ونسق میں ان کا شریک ہو۔ اس وقت انہوں نے یہ مشہور فقرہ کہا۔

انا اذا کماسك البقرة بقرینها و اخر یحلبها

"ایسی صورت میں تو گائے کے دونوں سینگ پکڑ کر اس کا بچا کچھا دودھ دوہنے والا بنوں گا۔"

اس امر میں مورخین کا اختلاف ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص ولایت مصر سے کس طرح معزول ہوئے۔ انہوں نے بطور خود علیحدگی اختیار کر لی تھی یا حضرت عثمانؓ نے انہیں اس لئے معزول کر دیا تھا کہ عبد اللہ بن ابی سرح کے حاکم خراج مقرر کیے جانے سے وہ اتفاق نہ کرتے تھے اور اسلئے انہوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن عام خیال یہی ہے کہ انہوں نے بطور خود دست کشی اختیار کر لی تھی اور مصر سے واپس آ کر مکہ میں مقیم ہو گئے تھے۔

جب عبد اللہ بن ابی سرح کا مصر پر پورا اقتدار قائم ہو گیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے افریقہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت مانگی جو انہیں مل گئی۔ اس پر انہوں نے بڑے زور شور سے تیاری شروع کر دی۔ تیاری مکمل ہونے پر وہ مصر سے نکلے اور تیونس کی حدود پر جا کر دم لیا۔ مصر اور تیونس کا درمیانی فاصلہ ساحل کے راستے سوا تین سو میل کا ہے۔ لیکن صحرائی راستہ کی مسافت بہت کم ہے۔ اس واسطے عبد اللہ نے اسی راستے کو اختیار کیا اور صحرا سے گزر کر اپنی منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

عبد اللہ بن ابی سرح نے بغیر سوچے سمجھے ہی چڑھائی نہیں کر دی بلکہ پورے غور وفکر اور سوچ بچار کے بعد اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے پہلے چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے تاکہ رومیوں کی طاقت کا اندازہ ہو سکے۔ جب لڑائی ٹھن گئی تو رومیوں کے سردار غریغوار نے اپنی فوج میں یہ اعلان کیا کہ جو شخص ابن ابی سرح کو قتل کرے گا میں اپنی بیٹی کی شادی اس سے کردوں گا اور اس کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا۔

جب ابن ابی سرح کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے لشکر میں یہ منادی کرا دی کہ جو شخص غریغوار کو قتل کرے گا میں اس کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا اور اس کی بیٹی کی شادی اس سے

کر دوں گا۔

صبح کے وقت سبیطلہ کے قریب رومیوں اور عربوں کے درمیان زبردست معرکہ شروع ہوا۔ سبیطلہ جنوبی تیونس کے مشرقی علاقہ کا مشہور شہر ہے جو آج تک اپنی قدیم جگہ پر واقع ہے۔ رومیوں کی تعداد عربوں سے کہیں زیادہ تھی لیکن مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور بڑے حوصلہ اور جواں مردی سے میدان میں ڈٹے رہے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ لڑائی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے اور ہماری فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو ابن زبیر نے ابن ابی سرح کو یہ صلاح دی کہ فوج کا ایک حصہ میدان جنگ سے ہٹا لیا جائے اور باقی فوج دشمن سے لڑتی رہے۔ جب دشمن کی فوج تھک جائے تب بقیہ تازہ دم فوج کو میدان میں لایا جائے اور اس طرح دشمن کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔

ادھر ابن زبیر نے رومی سپہ سالار پر تاک لگائی اور چند سواروں کو اپنے ساتھ لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اس اچانک حملہ سے سنبھل نہ سکا اور ابن زبیر کے نیزے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے قتل سے رومیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور مسلمانوں کے حوصلے پہلے سے بھی بلند ہو گئے۔ انہوں نے رومیوں پر فوراً ایک زبردست حملہ کر دیا اور ان کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔ رومی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا میلوں تعاقب کیا سینکڑوں رومیوں کو قتل اور ہزاروں کو قیدی بنالیا۔ اس طرح عربی لشکر سبیطلہ اور اس کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔

فتح حاصل کرنے کے بعد بھی عبد اللہ بن ابی سرح سبیطلہ ہی میں ٹھہرے رہے اور اسے اپنی فوجی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر شمالی' جنوبی اور مشرقی علاقوں میں فوجیں بھیجنی شروع کر دیں۔ ان کے لشکر قفصہ' سبت اور غنمتکے قلعوں تک پہنچ گئے۔ ابن زبیر نے ساحل کا رخ کیا وہاں پہنچ کر سوسہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کیا۔

رومی کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ انہوں نے اپنے انجام پر نظر کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ابن ابی سرح کو یہ پیشکش کی جائے کہ وہ ان سے تین سو قنطار سونا لے کر ان کے علاقہ سے دست بردار ہو جائیں۔ چنانچہ ابتدائی بات چیت کے بعد دونوں فریقوں کی صلح کانفرنس ہوئی جس میں مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں۔

1- رومی تاوان جنگ ادا کریں گے جس کی مقدار تین سو قنطار سونا ہوگی۔(1)

(1) واقدی کے بیان کے مطابق پچیس لاکھ بیس ہزار دینار

2- مسلمان ان کے شہروں سے اپنا قبضہ ہٹالیں گے اور اس علاقہ سے نکل جائیں گے۔
3- مسلمانوں نے صلح سے قبل جو مال غنیمت حاصل کیا ہوگا۔ وہ انہی کے پاس رہے گا۔ لیکن صلح کے بعد اگر انہوں نے کچھ حاصل کیا ہوگا تو وہ لوٹانا ہوگا۔

مندرجہ بالا شرائط پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان صلح کے بعد شمالی افریقہ سے نکل گئے تھے۔ لیکن ابن جریر اور طبری اس کی تائید نہیں کرتے۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ ابن ابی سرح نے انہی لوگوں میں سے ایک شخص کو ان کا والی مقرر کیا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن ابی سرح نے ان کو دولت عربیہ کی زیر نگرانی اندرونی خود مختاری عطا کی تھی۔

اس معرکہ میں عربی لشکر نے بہت زبردست مال غنیمت حاصل کیا تھا۔ جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فوج کے ہر سوار کو مال غنیمت میں سے تین ہزار اور پیدل کو ایک ہزار دینار حصہ ملا تھا۔ ابن ابی سرح نے اپنے لئے خمس (1/5 حصہ) رکھ لیا تھا اور بقیہ 4/5 حضرت عثمانؓ کو فتح وظفر کی خوشخبری کے ساتھ بھیج دیا تھا۔

مسلسل چودہ مہینے جنگ آزمائیوں میں مصروف رہنے کے بعد عبد اللہ بن ابی سرح شمالی افریقہ سے مصر کے دارالحکومت اور اپنی جنگی کارروائیوں کے مرکز فسطاط واپس ہوتے۔ اس کے بعد خلفاء راشدین کے عہد میں اسلامی لشکر اور سلطنت روما کے مابین لڑائیاں ختم ہو گئیں۔ ان لڑائیوں میں سلطنت روما کے مشرقی علاقہ میں سے جبال طوروس سے طنجہ تک کے سب علاقے رومیوں کے ہاتھ سے چھن گئے۔ اس وسیع علاقہ میں مندرجہ ذیل صوبے شامل تھے۔ کیلیکیہ شام، لبنان، شرق اردن، فلسطین، مصر، برقہ، مغربی طرابلس، تیونس، جزائر اور مغرب اقصیٰ، مسلمانوں نے چند ہی سال کے اندر اندر ان تمام علاقوں کے تہذیب و تمدن کو عربی تہذیب و تمدن کے سانچے میں ڈھال دیا۔ عربی زبان کو رائج کیا اور اسلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا۔

(10)

مقابلہ

مسلمانوں اور عرب کی ہمسایہ حکومتوں کے درمیان سب سے پہلا مقابلہ 5ھ میں ہوا جب رسول کریم ﷺ بنفس نفیس مسلمانوں کی ایک جمعیت لے کر دومۃ الجندل تشریف لے گئے جو رومی سلطان کے ماتحت تھا۔ اس کے تقریباً بیس برس بعد تک اسلامی لشکر فتوحات پر فتوحات

صل کرتا رہا اور کبھی اسے شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑا۔ اس عرصہ میں کبھی کسی مسلمان کو یہ خوف نگیر نہ ہوا کہ اس کا کوئی مومن بھائی تلوار لے کر خود اس کے مقابلہ پر آئے گا۔ لیکن جب یہ الت ختم ہوئی اور مسلمان تلواریں لے لے کر خود اپنے ہی بھائیوں کے مقابلہ میں آنے لگے تو ں وقت سے فتنہ وفساد اور باہمی تفرقہ انگیزی کا دروازہ کھل گیا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں رومی شہنشاہیت پر عربوں کا سب سے پہلا حملہ یک ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ 5 ھ میں ہوا تھا۔ جن کی قیادت خود حضورﷺ نے کی تھی۔ اس کے بعد جنگ موتہ ہوئی جس میں تین ہزار عربی سپاہیوں نے شرکت کی تھی۔ بعد زاں غزوہ تبوک پیش آیا۔ یہ آخری غزوہ تھا جس میں رسول کریمﷺ رومیوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے۔ اس میں تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ لیکن وہ بغیر جنگ کیے واپس آ گئے۔

رسول کریمﷺ نے اپنی وفات سے چند ہی روز پہلے جنگ موتہ کے شہدا کا بدلہ لینے کے لئے ایک لشکر رومیوں سے مقابلہ کے واسطے اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں تیار کیا تھا۔ لیکن اسی اثناء میں حضور پر نورﷺ کی وفات ہو گئی۔ آپﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ اس لشکر کو روانہ کیا چنانچہ وہ شام کی سرحد پر پہنچا۔ لیکن وہاں کوئی زبردست مقابلہ پیش نہ آیا اور لشکر واپس مدینہ آ گیا۔ اسکے بعد کچھ عرصہ تک مسلمان مرتدین کے مقابلہ میں مصروف رہے۔ جب اس فتنہ سے نجات ملی تو پھر لشکروں کی روانگی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ مسلمانوں نے عراق اور شام پر بیک وقت حملہ کیا اور اس کے بعد ایران اور رومی شہنشاہیت پر ان کے حملے شروع ہو گئے۔ لیکن ان میں کوئی بھی حملہ ایسا نہیں تھا جس میں مسلمانوں کی تعداد اپنے حریفوں کے برابر یا ان سے زیادہ ہو۔ ان کی تعدا دہمیشہ اپنے دشمنوں سے بہت کم ہوا کرتی تھی، خصوصاً رومی سلطنت کے لئے جو ایک وسیع علاقے پر قائم تھی اور اس کے باشندوں کی تعداد پانچ کروڑ تک پہنچتی تھی، عربوں سے کئی سو گنا فوج لانا بھی کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن مسلمان اس تعداد کو کبھی خاطر میں نہ لائے۔ انہوں نے بے دھڑک اپنے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور ہمیشہ فتح یاب ہوئے۔

انسان جب ان محیر العقول کارناموں کو پڑھتا اور سنتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے اور کس طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان اس قدر بے سروسامانی اور اس درجہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود کس طرح باجبروت بادشاہتوں اور کثیر التعداد لشکروں کے مقابلہ میں ایک ہیبت

ناک سیلاب کی طرح آئے اور آن کی آن میں ان بادشاہتوں کی عظمت و جبروت کو ایک
کی طرح بہا کر رکھ دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ان جنگوں میں رومیوں اور عربوں کے درمیان کسی لحاظ سے بھی کو
نسبت نہیں تھی۔ رومی پوری طرح ان جدید آلات حرب سے آراستہ تھے جو اس زمانہ میں را
تھے لیکن عربوں کے پاس صرف وہی دقیانوسی ہتھیار تھے جو ان کو اپنے آباؤاجداد سے ورثہ
ملے تھے' مثلاً تلوار' نیزے' تیر کمانیں وغیرہ۔ رومیوں کو عربوں پر نہ صرف لشکروں' ہتھیاروں
تعداد اور تیاری کے لحاظ سے برتری حاصل تھی بلکہ ان شہر پناہوں' قلعوں اور حصاروں کے لحا
سے بھی رومی ہر طرح عربوں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ جن کی شام' فلسطین' مصر' افریقہ میں کثر
تھی۔ ان فصیلوں اور قلعوں نے عربوں کے راستے میں ہر طرح کی مشکلات حائل کیں۔ ہر
کے روڑے اٹکائے۔ حملوں میں رکاوٹیں پیدا کیں ان کی قوتوں کو کمزور کیا' لیکن ان تمام باتو
کے باوجود عربوں نے ہمیشہ ان پر فتح حاصل کی۔ کوئی دیوار اور شہر پناہ ان کی راہ میں حائل نہ ہ
سکی اور کوئی قلعہ ان کو اپنے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکا۔

رومیوں کے ساتھ جتنی جنگیں ہوئیں وہ ہمیشہ رومیوں کی سرزمین میں ہی لڑی گئیں
جس کے چپہ چپہ سے وہ واقف ہوتے تھے اور وہاں کی ہر بات کا ان کو پتا ہوتا تھا۔ وہ اپنے
مددگاروں اور حلیفوں کیساتھ ہو کر لڑتے تھے لیکن اس کے برعکس عرب ایسی سرزمین میں جا کر
لڑتے تھے جس کے متعلق وہ بالکل لاعلم ہوتے تھے۔ ان کا سامنا ایسے لشکروں سے ہوتا تھا جن
کی مدد کے لئے اسی سرزمین کے اشخاص موجود ہوتے تھے اور جن کو ہر جگہ سے ہر قسم کی مد
بآسانی مہیا ہو سکتی تھی اور ہو جاتی تھی۔

رومیوں کے پاس مال و دولت کی بھی کمی نہ تھی لیکن عرب اپنی اولین فتوحات کے
زمانہ میں مال و دولت جمع کرنے سے بالکل مستغنی تھے۔ عربی لشکر کو اپنی ضروریات کا خود ہی
کفیل ہونا پڑتا تھا۔ عرب سے ان کو کسی قسم کی امداد نہ پہنچ سکتی تھی کیونکہ جو علاقہ خود اپنا کفیل او
خود اپنا مکتفی نہ ہو وہ دوسروں کی مدد کس طرح کر سکتا تھا۔

ان امور پر غور کرنے سے صاف طور پر پتا چل جاتا ہے کہ وہ کون سی چیزیں تھیں جن
کی وجہ سے رومیوں کو عربوں پر امتیاز حاصل تھا۔ اگر ان واقعات کی صحت پر واضح دلائل او
قرائن موجود نہ ہوتے تو مورخین کے لئے انہیں تسلیم کرنا ناممکن ہوتا کیونکہ یہ بات عقل میں آنے
والی نہیں ہے کہ عربی لشکر جیسا حقیر لشکر جس کی تعداد کسی صورت میں بھی کبھی پچاس ہزار سے

آگے نہ بڑھی ہو وہ رومی لشکر جیسے عظیم الشان لشکر پر غالب آجائے اور اس کو بری طرح برباد کر کے اس سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کی وسیع سلطنت چھین لے۔ چنانچہ اس زمانہ کے بعد سلطنت روما کا کوئی جھنڈا شام' مصر اور افریقہ میں بلند نہ ہو سکا۔ اور رومیوں کے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ عربوں سے اپنا چھینا ہوا علاقہ واپس لے سکیں۔ حالانکہ عربوں کے علاوہ اگر اور کوئی طاقت ان سے لڑتی تھی اور ان کے ہاتھوں سے کوئی علاقہ چھین لیتی تھی تو زیادہ عرصہ نہ گزرنے پاتا تھا کہ رومی اس سے وہ علاقہ واپس لے لیتے تھے بلکہ اس کے بھی کثیر علاقہ پر قبضہ جما لیتے تھے۔

وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے موت کو عربوں کی نظر میں نہایت حقیر شے بنا دیا تھا۔ جن سے متاثر ہو کر وہ اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر لیے پھرتے تھے اور اقوام عالم سے لڑتے لڑتے انہوں نے ایک جہان چھان مارا تھا۔ صرف اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے راستے میں لڑنے کا جذبہ ہی تھا جس نے ان کو ہر میدان میں کامیابی بخشی اور ہر قوم پر فتح و نصرت عطا کی۔ اس کے ساتھ ہی عربی سپہ سالاروں کی حیرت انگیز لیاقت و جرات' افراد سیاست کی سیاسی سوجھ بوجھ' اسلامی جمہوریت کے حیرت انگیز واقعات' فاتحین کا عدل و انصاف' حملہ آوروں کا مفتوح باشندوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا سلوک' یہ سب باتیں ایسی تھیں جنہوں نے اسلامی فتوحات کو دوسری فتوحات سے بالکل نمایاں کر دیا اور عام فتوحات کے رنگ کو بالکل بدل ڈالا۔ ظلم و جور کی جگہ ایک پائیدار نظام اور حقیقی امن نے لے لی۔ اس عدل و انصاف اور محبت و شفقت کی پھواریں مفتوحہ علاقوں کے باشندوں پر پڑیں اور انہوں نے محسوس کیا کہ پرانے جورو استبداد اور بے اطمینانی کے زمانہ کی جگہ ایک عدل و انصاف اور طمانیت قلب سے بھرپور دور نے لے لی ہے جس کی نظیر گذشتہ زمانوں میں سے کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی۔

سب سے زیادہ عجیب بات جو عربی فتوحات میں ہمیں نظر آتی ہے وہ مقبوضہ و مفتوحہ علاقوں اور شہروں کی زبردست حفاظت تھی۔ ان عربی شہروں پر جن کو عربوں نے رومیوں سے چھینا کئی فاتحین نے غلبہ حاصل کیا لیکن وہ اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ ان حملہ آوروں میں آخری حملہ آور ایرانی تھے لیکن ان کے غالب آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد رومی ان پر آ پڑے۔ انہیں مار مار کر ان کے مفتوحہ علاقوں سے باہر نکال دیا اور مدائن پہنچا کر ہی دم لیا۔ جہاں انہوں نے نہایت ہی کڑی شرائط کے ساتھ ان سے معاہدہ صلح لکھوایا۔

رومیوں نے اس نسخہ کو عربوں پر بھی آزمانا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف شام پر

حملہ کیا اور دوسری طرف اسکندریہ پر قابض ہو کر اردگرد کے علاقہ میں بڑھتے بڑھتے نقیوس تک پہنچ گئے۔ لیکن جب حضرت عمروؓ بن العاص ان کے مقابلہ کے لیے اٹھے تو ان کو بری طرح بھاگتے ہی بن پڑی۔ اور وہ مصر و اسکندریہ سے باہر نکال دیئے گئے۔ اسی طرح حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کو شام اور اطراف اناطولیہ سے نکال باہر کیا۔ اور وہ علاقے جن کو عربوں نے فتح کیا تھا اب تک عربی علاقے ہی شمار ہوتے ہیں۔

عربی فتوحات کا ایک اثر یہ ہوا کہ عرب سے بے شمار قبائل نکل کر مفتوحہ علاقوں میں سکونت پذیر ہوگئے۔ کچھ نے شام میں رہائش اختیار کر لی' کچھ مصر میں آباد ہوگئے اور کچھ شمالی افریقہ میں جا بسے اور جیسا کہ مورخین نے بیان کیا ہے قبائل عرب سواحل فرات سے لے کر اطلس کے کناروں تک پھیل گئے۔ ان کا وہاں کے اصلی باشندوں سے میل ملاپ ہوگیا اور انہوں نے ان علاقوں اور ملکوں میں اسلام پھیلا کر' عربی زبان کی ترویج اور آپس میں شادی بیاہ کا سلسلہ قائم کر کے نیز اقتصادی اور زراعتی امور میں اشتراک عمل کے ذریعہ ان کی طبائع کو بھی عربی طبائع میں رنگ دیا۔

یہ چیز رومیوں اور دیگر فاتحین میں نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان علاقوں میں سیاسی' عسکری' اقتصادی غرضیکہ ہر لحاظ سے عربیت غالب آ گئی اور اس طرح عربوں کی حکومت کو ان علاقوں میں استحکام حاصل ہوگیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ شام' مصر اور افریقہ میں عربی فتوحات اپنی نظیر آپ ہیں۔ تاریخ ابتدائے آفرینش سے اب تک کسی ایسی قوم کی مثال پیش نہیں کر سکی جو حد درجہ قلیل التعداد' مفلس و قلاش اور پرانے دقیانوسی ہتھیاروں سے مسلح ہونے کے باوجود ایک بڑے علاقہ اور ان وسیع عریض شہروں پر حملہ کرے جو شہر پناہوں کے ذریعہ خوب مضبوط بنائے گئے ہوں۔ جنگی اسلحہ کی وہاں کمی نہ ہو اور ان میں اتنے زبردست لشکر موجود ہوں کہ فاتح قوم کا لشکر ان کے عشر عشیر بھی نہ ہو لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ قوم اپنی حریف قوموں پر غلبہ حاصل کر کے ان کو شکست فاش دے اور ایک قلعہ کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے قلعہ پر قبضہ کرتی چلی جائے جو علاقوں کے علاقے فتح کر کے پہلے ان میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرے اور پھر مفتوح قوم کو اپنی قومیت میں مدغم کرے۔ اپنے دین اور اپنی زبان کو اس میں پوری طرح رواج دے کر مغایرت کے کسی رشتہ کو بھی اپنے اور اس کے درمیان باقی نہ رہنے دے۔

اگر لوگوں کا ان روحانی اور غیبی قوتوں پر اعتقاد نہ ہوتا جو عربوں کو ان کی فتوحات میں

دیتی اور جنگوں میں ان کو تقویت پہنچاتی رہیں تو یقیناً ایسے امور دنیائے خواب و خیال کی
ں سمجھے جاتے۔

(11)

جمع قرآنِ کریم

اکثر مستشرقین حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہی قرآن کریم کی جمع و تدوین کا ذکر
رتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید کے نسخے مصحفِ عثمانیؓ کے مطابق نہیں ہیں وہ
حف ضائع ہو چکا ہے اور موجودہ مصحف اس پرانے مصحف کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ بعض
ہتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے۔ خلفاء راشدین نے اپنی مرضی اور
اہش کے مطابق اس میں زیادتی اور کمی کر لی (نعوذ باللہ) لیکن یہ سب محض ظنی اور خیالی باتیں
ل حقیقت کا ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید بیشتر صحابہؓ کے سینوں میں محفوظ تھا اور اس میں کسی قسم کے
غیر وتبدل کا امکان نہ تھا۔ جب یمامہ میں مرتدین سے جنگ ہوئی اور اس میں کئی صحابہؓ نے
جام شہادت نوش فرمایا تو حضرت عمرؓ ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اس
جنگ میں کئی قاری شہید ہوگئے ہیں اگر اسی طرح جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور صحابہؓ ان میں
شہید ہوتے رہے تو قرآن کریم کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ آپ کو چاہیے کہ قرآن کریم
کو ایک جگہ جمع کرا دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ جس بات کو رسول کریم ﷺ نے نہیں
کیا میں اسے کس طرح کر سکتا ہوں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ایک
انتہائی ضروری چیز ہے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ برابر مجھ سے اس بارہ میں اصرار کرتے
رہے تا آنکہ خدا تعالیٰ نے میرے سینے کو کھول دیا اور میں نے بھی عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو
بلایا۔ حضرت عمرؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے زیدؓ
سے کہا: انہوں نے مجھ سے ایک کام کرنے کو کہا ہے لیکن میں نے انکار کر دیا۔ تم کاتب وحی ہو
اگر تم بھی ان کی رائے سے اتفاق کرو تو میں اس کام کو شروع کر دوں گا۔ لیکن اگر تم نے اتفاق
نہ کیا تو پھر میں بھی یہ کام نہیں کروں گا۔'' اس کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کی رائے انہیں
بتائی۔ شروع میں تو زیدؓ اس سے متفق نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ وہ کام کس طرح کر سکتے

ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میرے خیال میں کام امت کے لیے بھلائی کا موجب ہے' تو وہ مان گئے اور قرآن کریم کے جمع کرنے کا شروع ہوا۔ پتوں' ٹھیکروں' کھالوں' ہڈیوں اور لکڑی کے ٹکڑوں پر سے قرآنی آیات نقل کی گئیں اور لوگوں کو جو اکثر سورتیں یاد تھیں ان سب کو جمع کیا گیا۔ جو کچھ جمع ہوا اس پر تمام صحابہؓ کا اتفاق تھا۔ صرف سورۃ توبہ کے دو آیات ایسی تھیں جو اکیلے حضرت خزیمہؓ بن ثابت کو یاد تھیں اور صحابی کو یاد نہ تھیں۔

اجب قرآن کریم جمع ہو گیا تو وہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا۔ حضرت ابوبکرؓ کے حضرت عمرؓ کو منتقل ہو گیا۔ آپؓ کی شہادت کے بعد آپ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کی تحویل میں گیا۔

*جب آیات قرآنی نازل ہوتی تھیں بعض صحابہؓ بطور خود یا رسول اللہ ﷺ کے حکم لکھ لیا کرتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں کاغذ دستیاب ہونا بڑا مشکل تھا اس لیے صحابہؓ قرآن کریم کو کھجور کے پتوں' پتھر کے ٹکڑوں' کپڑے کی دھجیوں' کھالوں' ہڈیوں اور ہر اس چیز پر ان کو اس مقصد کے لیے میسر آ جاتی تھی لکھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح تمام قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی جمع کر لیا تھا' بلکہ ایک جماعت اسی کام کے لیے مقرر تھی جس حضرت علیؓ' حضرت معاذؓ بن جبل' حضرت اُبیؓ بن کعب اور حضرت زیدؓ بن ثابت شامل تھے نسخے جن کو سب سے زیادہ قابل اعتماد سمجھا جاتا تھا' تین تھے:

1- مصحف ابن مسعود

2- مصحف ابی اور

3- مصحف زید

یہ تینوں قاری تھے اور اپنی اپنی قرأت کے نمونے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر تے تھے۔ زیدؓ نے اپنی قرأت کا نمونہ سب سے آخر میں اس سال پیش کیا تھا جس سال حضور انور ﷺ کی وفات ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اختیار کر لیا اور آپ ﷺ سے سن کر مسلمانوں نے بھی۔

ابوالنصاء کہتا ہے 30ھ میں حضرت عثمانؓ کے سامنے قرآن کریم کے بارے اہل عراق کا ایک جھگڑا پیش ہوا' وہ کہتے تھے ہماری قرأت اہل شام کی قرات سے زیادہ صحیح کیونکہ وہ ہم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے سیکھی ہے۔ اہل شام کہتے تھے ہماری قرات زیادہ

یونکہ ہمیں حضرت مقداد بن الاسود نے پڑھایا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس بارے میں
سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ صرف اسی مصحف کو رائج کیا جائے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے
خلافت میں لکھا گیا تھا اور جو حضرت حفصہؓ کے پاس امانتاً رکھا ہوا ہے۔ اس کے سوا
ے تمام نسخے جلا دیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس مصحف سے اور مصحف نقل کیے
ور ہر شہر میں ایک نسخہ بھیج دیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ مصحف اور اس کی نقلیں حضرت عثمانؓ
م سے تیار کیں ان میں زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن زبیر، سعیدؓ بن العاص اور عبدالرحمٰنؓ بن
بن ہشام مخزومی شامل ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا تھا:

ان اختلفتم فی کلمة فاکتبوھا بلسان قریش فانما نزل القرآن بلسانھم۔

ر تمہیں کسی کلمہ میں اختلاف ہو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان
ترا تھا۔1

مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مصحف عثمانیؓ کے لکھنے والے زیدؓ بن ثابت اور
نے والے سعیدؓ بن عاص ہیں۔ اس لیے کہ سعیدؓ بن عاص اپنے زمانے کے سب سے
فصیح و بلیغ تھے۔ یہ باور کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ حضرت زیدؓ بن ثابت کو سارا قرآن مجید
یاد تھا۔ کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ لکھ چکنے کے بعد وہ سعیدؓ بن عاص کو قرآن مجید سنایا
تے تھے۔ انہوں نے مصحف میں ایک آیت کم پائی جس پر انہوں نے مہاجرین و انصار سے
کے متعلق دریافت کرنا شروع کیا۔ حضرت خزیمہؓ بن ثابت کے پاس وہ آیت مل گئی۔ دوسری
نانے پر یہ آیت نہ پائی

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم

ں نے پھر اس کی تلاش کی اور ایک آدمی کے پاس ان کو وہ آیت مل گئی۔ جب تیسری بار
تو اس بار کوئی آیت کم نہ پائی۔ جب اس نسخہ کو حضرت حفصہؓ والے نسخہ سے ملایا گیا تو اس کو
مکمل پایا۔ تب ان کا دل مطمئن ہوگیا اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس نسخہ سے دوسرے نسخے
ل کرلیں۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان نسخوں کو باہر بھیج دیا، جن کی تعداد سات بیان کی
تا ہے۔ یہ نسخے مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ بھیجے گئے تھے اور ایک مدینہ میں رکھ لیا گیا
۔ اس مصحف کو "امام" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ مصاحف جو حضرت عثمانؓ کے مصحف سے
لکھے گئے تھے ان کی سورتوں کی ترتیب وہ نہیں تھی جو آج کل پائی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ترتیب

حضرت عثمانؓ کی دی ہوئی ترتیب ہے۔ (1)
حجاج کے زمانہ میں قرآنِ کریم کو تیس جزو میں تقسیم کیا گیا تھا۔ باقی رہا اس سے پہلے کا معاملہ روایت ہے کہ جب کوئی سورۃ اترتی تو حضورﷺ اپنے کاتب وحی کو بلا کر کہتے کہ اس سورۃ فلاں فلاں جگہ رکھ دو۔ اس طرح قرآن مجید کی آیات تو پہلے ہی سے مرتب شدہ تھیں لیکن کتابی صورت میں جمع نہیں تھا۔ مصحف عثمانؓ کی ترتیب حضرت زید بن ثابتؓ نے دی تھی یقین ہے کہ رسول کریمﷺ کے ذہن میں بھی وہی ترتیب تھی جو انہوں نے دی اور اس کی حض نے ان کو اجازت دے دی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ متعدد صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کو کتابی صورت میں جمع کیا لوگوں کے سامنے لاکھوں بار وہی پڑھا گیا تو یہ بات قطعی محال ہے کہ انہوں نے اس میں تحریف وتبدل یا زیادتی وکمی کر دی ہو۔ چنانچہ اس بات میں قطعاً شک کی گنجائش نہیں کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو رسولِ کریمﷺ پر نازل ہوا تھا۔ باقی رہا قرآت میں اختلاف تو یہ ا دوسرا معاملہ ہے جو نفس کلام الٰہی کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کی قرآت سے تعلق رکھتا کیونکہ یہ امر کسی سے مخفی نہیں ہے کہ عربوں کے لہجے آپس میں بہت مختلف تھے اور ان لہجوں اختلاف سے قراتوں میں اختلاف پیدا ہوجانا ایک لازمی امر تھا۔

1- مصنف کا یہ بیان ہرگز صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ کے لکھوائے ہوئے قرآن کریم میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب بالکل وہی تھی جو حامل وحیﷺ نے خود مقرر فرمائی تھی۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تو حضورﷺ کاتب کو بلا کر فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں لکھ لو۔ پھر حضور ختم المرسلینﷺ حضرت جبرئیل کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔ اور جس سال حضورﷺ کا وصال ہوا ہے اس وقت دو مرتبہ دور کیا۔ اگر اس کی ترتیب نہیں تھی تو دور کس طرح ہوتا تھا اور اگر ترتیب تھی تو بعد کے لوگوں کو اس ترتیب کے بدلنے کا کیا اختیار تھا کس کی مجال تھی کہ رسول اللہﷺ کی ترتیب کو بدل کر اپنی ترتیب قائم کرتا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ نبی کریمﷺ خود فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں لکھ لو اس واضح حکم کے بعد کوئی گنجائش کسی انسان کے لیے باقی نہیں رہتی کہ وہ حضور کے حکم سے سرتابی کر کے خود نئی ترتیب قائم کرے۔ نہ حضرت عثمانؓ خود ایسا کر سکتے تھے اور نہ کوئی صحابیؓ انہیں ایسا کرنے دیتا۔ (مترجم)

(12)

فتنہ

حضرت عثمانؓ کے عہد میں باغیوں کا جو فتنہ اٹھا وہ اتنا زبردست تھا کہ اس نے اسلامی اتحاد کو ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا اور اگر اللہ کا خاص فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو اسلام اس صدمہ عظیمہ سے ہرگز جانبر نہ ہوسکتا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر تھا کہ رومی شاہنشہی اور ایرانی بادشاہت حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ٹکڑے ٹکڑے ہوچکی تھی اور جو کچھ ان دونوں میں دم درود باقی تھا وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ختم ہوگیا تھا اگر خدانخواستہ ان دونوں طاقتوں کے خاتمہ سے پہلے اسلام میں یہ فتنہ نمودار ہوجاتا تو یقین تھا کہ ان دونوں عظیم سلطنتوں کی فوجیں بلا دعربیہ پر دھاوا بول دیتیں اور اسلامی سلطنت کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مہاجرین قریش کے ممتاز لوگوں پر بغیر اجازت مفتوحہ علاقوں کے دیار و امصار میں جانے پر پابندی لگا دی تھی جس پر انہوں نے ناراضی کا اظہار کیا اور آپ سے اس پابندی کی شکایت کی۔ لیکن حضرت عمرؓ پر اس ناراضی اور اس شکایت کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ نے ان کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں نئے نئے شہروں میں جا کر ان پر عصبیت غالب نہ آجائے اور یہ پھر اپنی قدیم جاہلی عصبیت پر نہ اتر آئیں۔

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے وہ احتیاط نہ برتی جو حضرت عمرؓ نے برتی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل مدینہ جوق در جوق دوسرے ملکوں اور شہروں میں جانے لگے۔ انہوں نے اپنے سامنے ایک جدید دنیا اور سرتاپا نئی چیزیں دیکھیں۔ ان کو ایسی زندگی اور ایسی معاشرت سے واسطہ پڑا جس سے وہ بالکل ناآشنا تھے۔ ان نئی چیزوں، نئی معاشرت اور نئے تہذیب د تمدن نے انہیں ایسا لبھایا کہ وہ وہیں کے ہو رہے۔ مفتوحہ ملک کے باشندے جنہیں اسلام میں کوئی سبقت کوئی فضیلت حاصل نہ تھی ان کے پاس آنے لگے۔ ان سے راہ و رسم بڑھانے اور ان کے فاتح ہونے کی وجہ سے ان کا تقرب حاصل کرنیکی کوشش کرنے لگے۔ اس چیز نے ان کے دماغوں میں بڑائی اور بزرگی کا احساس پیدا کردیا۔ پہلی کمزوری تھی جو اسلام میں ظاہر ہوئی اور عصبیت کا پہلا مظاہرہ تھا جس نے اس اسلامی مساوات کے اصول کو کھوکھلا کرنا شروع کردیا

جس کی رو سے تمام مسلمان ایک ہی لڑی میں منسلک تھے اور کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔

شعبی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قریش بہت اُکتا گئے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ سے باہر جانے سے منع کر رکھا تھا اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے اس بات سے بہت ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم لوگ شہروں میں جا کر منتشر نہ ہو جاؤ۔

اگر ان مہاجرین میں سے جن کو آپ نے مدینہ میں روکا ہوا تھا کوئی شخص آپ سے جنگ میں جانے کی اجازت چاہتا تو آپ اس سے کہتے کہ تم نے رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ جنگوں میں جو حصہ لیا تھا وہی تمہارے لیے کافی ہے اور اب تمہارے لیے جنگ سے زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ نہ تم دنیا کو دیکھو اور نہ دنیا تمہیں دیکھے۔

جب حضرت عثمانؓ نے ان کو ڈھیل دی اور وہ دوسرے ملکوں میں پھیل گئے تو وہاں کے باشندے ان کے پاس آنے جانے لگے۔ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ ہوئے ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ قریش کے ان لوگوں نے ان شہروں میں اپنی جائیدادیں بنا لیں چونکہ لوگ ان کے پاس کثرت سے آتے تھے اور فاتح ہونے کی وجہ سے ان کی عزت کرتے تھے۔ اس لیے ان میں جاہلیت کی پرانی باتیں پھر عود کر آئیں اور پرانی عصبیت پھر ابھر آئی حالانکہ اسلام اور رسول ﷺ نے اس سے سخت منع فرمایا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی قریش کو روکنے کی پالیسی نہایت دور اندیشی پر مبنی تھی کیونکہ سنت بشری کے مطابق ایک فاتح قوم کے افراد کی طرح ان کی بھی یہ خواہش تھی کہ وہ بھی کسی دن خلافت کی کرسی پر متمکن ہو جائیں لیکن اس وقت کا رائج الوقت جمہوری نظام ان کی اس خواہش میں سب سے بڑی روک تھا۔ مدینہ کا ماحول ایسا تھا کہ ان کے لیے خلافت کے خلاف کوئی سازش یا ہنگامہ برپا کرنا ممکن نہ تھا۔ نہ مدینہ میں کسی ایسے شخص کے داخل ہونے ہی کی گنجائش تھی جو وہاں کے باشندوں میں تفرقہ اور فساد ڈلوا سکے۔ لیکن دوسرے شہروں میں یہ بات بڑی آسانی سے میسر آ سکتی تھی اور وہاں فساد کے بیج بونے' لوگوں کو بغاوت پر اکسانے اور مختلف علاقوں کے عمال پر نکتہ چینی کرنے کا موقع ہر وقت پیدا کیا جا سکتا تھا۔

قریش اس زمانہ میں اپنے آپ کو سارے جہان سے افضل سمجھتے تھے۔ اپنے علاوہ کسی اور کی امارت ان کو سخت ناگوار تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ حکومت میں ان کا حق اپنے امیر سے کسی صورت میں بھی کم نہیں بلکہ وہ اس سے زیادہ امارت کے مستحق ہیں۔ اس قسم کے خیالات

لہار حضرت عمرؓ کے عہد خلافت اور آپ کی زندگی میں ناممکن تھا اس زمانہ میں کسی قریشی یا غیر قریشی کو سر اٹھانے یا بغاوت برپا کرنے کا خیال بھی نہ ہوسکتا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں بہت زیادہ نرم دل تھے اور اسی نرم دلی اور کمزوری سے بدطینت لوگوں نے فائدہ اٹھا کر ملت اسلامیہ میں تفرقہ انگیزی اور افتراق و انشقاق کے بیج بو دیے۔

حضرت عثمانؓ نے قریش کو نہ صرف مختلف ممالک میں جانے کی اجازت ہی دی جس پر حضرت عمرؓ نے پابندی لگا رکھی تھی بلکہ اس کام میں ان کی مدد بھی کی۔ حضرت عثمانؓ کا نظریہ تھا کہ ایسا کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر کہیں کوئی فتنہ نمودار ہوا اور تفرقہ کی آگ بھڑکی تو ان کے ذریعہ سے اس فتنہ کا سر کچلنے اس آگ کو بجھانے اور حکومت کو مضبوط کرنے کا کام لیا جا سکے گا۔ لیکن ان کا یہ پہلا خیال ہی غلط نکلا۔

اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ 30ھ میں آپ کو سعیدؓ بن العاص نے یہ رپورٹ بھیجی کہ کوفہ میں بے چینی پھیل رہی ہے اور وہاں کے باشندے فتنہ و فساد کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے ان لوگوں کو تیار کرنا شروع کیا جنہوں نے عراق کی فتوحات میں حصہ لیا تھا اور عراق کے اموال میں ان کا حصہ ہونے کے علاوہ وہاں ان کی جاگیریں بھی تھیں۔ لوگ بہت خوش ہوئے خدا نے ان کے باہر جانے کے لیے ایسا سامان کر دیا تھا جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

اس موقعہ سے بعض قریش نے بھی فائدہ اٹھایا اور اس کو غنیمت جانتے ہوئے ان لوگوں سے جن کی عراق میں جائیدادیں تھیں اپنی حجاز والی جائیداوں کا تبادلہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ طلحہؓ بن عبیداللہ نے اپنی خیبر اور حجاز کی جائیداد کا تبادلہ ایک ایسے شخص سے کیا جس کی قادسیہ اور مدائن میں جائیداد تھی۔ لیکن اس نے عراق میں رہنے کی نسبت مکہ میں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دی تھی۔ مروان کو جو جاگیر حضرت عثمانؓ سے ملی تھی اس کا بھی اس طرح تبادلہ ہو گیا۔ اس طرح یہ سلسلہ چل نکلا اور سیکڑوں لوگوں نے اپنی جائیداد کے تبادلے دوسرے ممالک کے لوگوں کی جائیدادوں سے کر لیے۔ اس طرح قریشیوں کو اپنے گھروں سے نکلنے اور دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہونے کا موقع مل گیا۔

جب اس طرح بڑے بڑے قریشی دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوئے تو جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے وہاں کے باشندے ان کے پاس آنے جانے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس علاقے کے باشندے اپنے والیوں اور عمال سے متنفر ہونے لگے اور اپنا تعلق ان نوواردین سے

بڑھانے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انہوں نے یہ کوشش شروع کی کہ اپنے علاقوں کے عمال کی شکایات کر کے ان کی جگہ دوسرے عمال مقرر کرا لیں۔ چنانچہ اہلِ بصرہ حضرت طلحہؓ کو اہلِ کوفہ حضرت زبیرؓ کو اور اہلِ مصر حضرت علیؓ کو اپنا والی بنانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے مصر میں نہ کوئی گھر بنایا تھا اور نہ کبھی وہاں گئے تھے لیکن ان کا ایک نہایت ہی قریبی رشتہ دار محمد بن ابوبکرؓ وہاں پہنچ گیا۔ محمد بن ابوبکرؓ حضرت علیؓ کا ربیب تھا کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد محمد کی والدہ سے حضرت علیؓ نے شادی کر لی تھی۔ محمد اس وقت دودھ پیتا بچہ تھا۔ حضرت علیؓ نے اس کی پرورش کی۔ اس لئے محمد بن ابوبکر کو حضرت علیؓ سے خاص تعلق تھا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ فتنے جو مختلف شہروں میں پھوٹے اور حضرت عثمانؓ کے مقررہ کردہ والیوں کے خلاف جو شورشیں برپا ہوئیں یہ سب اس بات کا نتیجہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے قریش کے بڑے بڑے لوگوں اور ان کے اعوان و انصار کو مختلف ملکوں میں چلے جانے کی اجازت دے دی تھی اور وہاں کے لوگوں نے جو حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ والیوں کو پسند کرتے تھے ان لوگوں کے پاس آمد و رفت شروع کی اور اپنے والیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یہ چاہا کہ خلافت انہی کی طرف منتقل ہو جائے اور ان کی ولایت بھی انہی میں سے کسی کو مل جائے لیکن چونکہ ہر علاقے کے باشندے علیحدہ علیحدہ اشخاص کے حق میں تھے اور ایک آدمی پر ان کا متفق ہونا ناممکن تھا اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضرت علیؓ برسرِ اقتدار آئے اور عنانِ خلافت اپنے ہاتھ میں سنبھالی تو اگرچہ مصریوں نے ان کی زبردست حمایت کی تھی لیکن دوسرے علاقوں کے لوگ حضرت علیؓ کی خلافت کو برداشت نہ کر سکے اور آپ کی زبردست مخالفت کی۔ آپ کے خلاف بغاوتیں شروع کر دیں اور اسی وجہ سے کئی جنگیں بھی ظہور پذیر ہوئیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان انشقاق و افتراق کے معنوں سے بھی واقف نہ تھے اور تفرقہ کے اسباب موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ آپس میں بھی کسی بات کی مخالفت نہ کرتے تھے۔ عربوں کے باہمی لڑائی جھگڑوں کا سب سے بڑا سبب ان کے رؤسا و امراء کی باہمی چپقلش اور اختلاف تھا۔ اور اس وقت کوئی ایسا زبردست ہاتھ نہ تھا جو ان معاملات کو بزور اپنی حد کے اندر رکھتا اور آگے نہ بڑھنے دیتا۔ حضرت عمرؓ کی ذات ایسی تھی جن کو نہ مصائب و آلام متاثر کر سکتے تھے نہ پریشانیاں ڈرا سکتی تھیں۔ آپ کبھی کسی عظیم شخصیت کے سامنے اس کی عظمت کی بنا پر نہ جھکے اور نہ کسی غریب اور کم حیثیت شخص کو اس کی کم مائیگی کی وجہ سے حقیر جانا۔ کوئی فتنہ

آپ اس کے نشوونما پانے سے پہلے ہی اس کے اصل بانی پر ہاتھ ڈال کر اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتے تھے۔ اگرچہ عام لوگوں کے لئے آپ رحیم و کریم' شفیق و مہربان تھے لیکن رؤسا و امراء اور لوگ جو عہدوں اور اقتدار کے خواہش مند تھے آپ سے حد درجہ خائف رہتے تھے اور آپ کے ڈر سے جھگڑے یا فساد کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لا سکتے تھے۔

حضرت عثمانؓ میں شرم و حیاء اور نرمی بہت زیادہ تھی۔ آپ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں اپنی حیاء کی وجہ سے بے حد مشہور تھے اور یہ فطری بات ہے کہ جو شخص بہت زیادہ شرمیلا ہو وہ اگر اپنی خلاف مرضی بھی کوئی بات دیکھے تو شرم کی بناء پر اس سے اغماض اور پہلو تہی کرتا ہے۔ اور اگر اس کو خود بھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی خلقی کمزوری کے سبب وہ اس کا کچھ خیال نہیں کرتا اور کوشاں رہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو کسی دوسرے کی تکلیف کا باعث بنے اور اس سے کسی کو رنج پہنچے۔ یہ بات اگرچہ عام اخلاقی لحاظ سے کسی قدر اچھی کیوں نہ ہو لیکن ملکی سیاست میں کسی عنوان فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتی۔(1) خلافت کی ہیبت اور اس کا ڈر لوگوں کے دلوں پر اس طرح مسلط ہونا چاہیے کہ وہ انہیں ایک خاص حد سے باہر نہ نکلنے دے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمانون میں جو باہمی الفت و محبت اور اتحاد تھا اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ لوگ جہاد میں مشغول رہتے تھے اور ایک علاقہ کے بعد دوسرے علاقہ کو فتح کرنے کیلئے نکل جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ جو قوم ہر وقت جنگوں میں مشغول رہے گی اس کی ساری توجہ ان نتائج و عواقب پر ہی مرکوز رہے گی جو جنگ کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور اس صورت میں آپس میں افتراق و انشقاق کو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اگر حضرت عثمانؓ کے وقت میں بھی فوجیں جنگ میں مشغول رہتیں اور قوم کی ساری توجہ انہی جنگوں کی طرف مبذول رہتی تو فتنہ و فساد پیدا نہ ہوسکتا تھا۔

ابن خلدون کی رائے اس معاملہ کے متعلق یہ ہے کہ جب فتوحات ختم ہو گئیں اور ملت اسلامیہ کو اکثر ممالک میں اقتدار حاصل ہو گیا تو عرب اپنے اپنے علاقوں سے نکل کر بصرہ' کوفہ' شام اور مصر میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان لوگوں میں صحابہ کرام بھی تھے اور مہاجرین و انصار بھی

(1) اگرچہ یہ بات ٹھیک ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے معاملہ میں بہت نرم دل انسان تھے اور جہاں تک آپ کا بس چلتا تھا نرمی اور عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ لیکن شرعی حدود کے قائم کرنے میں بہت سخت تھے اور اس میں کسی کی رو رعایت نہ کرتے تھے۔ (مترجم)

قریش بھی تھے اور اہل حجاز بھی۔ اور یہ سب وہ لوگ تھے جن کے ہاتھوں یہ ممالک مفتوح ہوئے تھے صحابہ کرامؓ کے علاوہ عرب کے قبائل بنی بکر بن وائل، عبد القیس، ربیعہ، ازد، کندہ، تمیم، قضاعہ وغیرہ اس صحبت سے بہرہ ور نہیں تھے جس صحبت سے صحابہ کرام بہرور تھے۔ لیکن ان لوگوں کا فتوحات میں بہت بڑا حصہ تھا۔ ان لوگوں نے چاہا کہ ہمیں ہماری خدمات کا پورا پورا معاوضہ ملے اور ان ممالک پر ہمارا ہی دبدبہ اور ہماری ہی حکمرانی ہو۔ ادھر ان لوگوں میں حقیقی طور پر اسلام بھی نہ پھیلا تھا اور یہ لوگ نبوت، نزول وحی اور نزول ملائکہ کے مسئلہ میں بڑے تردد اور شش و پنج میں تھے۔

جب دشمن ہر طرح مطیع و منقاد ہو گیا اور متعدد ممالک مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے تو جاہلیت کی رگ پھر ان میں پھڑکنے لگی اور جابجا عصبیت کے مظاہرے ہونے لگے۔ خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ مہاجرین، انصار اور قریش ہی ان پر حکمران ہیں تو ان حکمرانوں سے ان کی بیزاری کا یہ جذبہ یہاں تک بڑھا کہ وہ کھلم کھلا عمال اور والیوں کیخلاف جھوٹی باتیں منسوب کر کے انہیں بدنام کرنے، ان کے احکام ماننے سے انکار کرنے اور حضرت عثمانؓ سے بار بار ان کو بدلنے اور معزول کرنے کا مطالبہ کرنے لگے انہوں نے عمال اور ولاۃ کے فرضی مظالم کے افسانے کثرت سے گھڑ گھڑ کر پھیلانے شروع کیے۔ جب مدینہ میں یہ خبریں پہنچیں تو حقیقت حال سے بے خبر ہونے کی وجہ سے صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ پر زور دینا شروع کیا کہ وہ ان امراء کو جن کی برطرفی پر زور دیا جا رہا ہے۔ معزول کر دیں۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ شکایت کرنے والے اپنی شکایتوں اور الزامات میں سچے ہیں۔ لیکن صورت حال اس کے بالکل برعکس تھی کیونکہ جب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کرنے والوں کو ان علاقوں میں تفتیش کے لئے بھیجا تو انہوں نے وہاں کے باشندوں پر مبینہ مظالم اور سختیوں کا نام و نشان تک نہ پایا بلکہ خود وہاں کے لوگ انہیں فساد پر کمر بستہ اور بغاوت پر آمادہ نظر آئے۔ وہ کھلم کھلا افتراق و انشقاق پھیلا رہے تھے۔ بغاوت کی تیاریوں میں مشغول تھے اور اپنا اقتدار قائم کرنے اور اس وقت کے حاکموں کا اقتدار خاک میں ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔

(13).

مستشرقین اور فتنہ

مستشرقین کا اسلام میں پیدا شدہ فتنوں کے بارہ میں یہ خیال ہے کہ ان کے محرک

دراصل پرانے جھگڑے اور اختلافات تھے جو زمانہ جاہلیت میں عرب کے مختلف قبائل میں موجود تھے۔ اسلام کے بعد جو عربی حکومتیں قائم ہوئیں ان کے زوال کا واحد سبب بھی یہی باہمی جھگڑے اور اختلافات تھے۔

ڈوزی کہتا ہے: ''قبائل عرب کے یہ باہمی جھگڑے ہی' جو زمانہ جاہلیت سے چلے آ رہے تھے حکومت اندلس (جس کو بجا طور پر ہم عربی حکومتوں میں طاقت وقوت اور شان و شوکت کے اعتبار سے سب سے بڑی حکومت کہہ سکتے ہیں) کے زوال کا باعث ہوئے۔ یہی موروثی اختلافات تھے جو قبیلوں اور خاندانوں میں وراثتاً جاری تھے اور ان ہی کی بدولت بڑی بڑی بادشاہیاں اور حکومتیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ بنو ہاشم کی حکومت کو بنوامیہ نے ختم کر دیا اور بنوامیہ کی حکومت کو خاندان عباسیہ نے مٹا دیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ حتیٰ کہ جب یورپین اقوام نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی پھیلی ہوئی ہے تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ایک دوسرے کی پیٹھ ٹھونک کر ان کو ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رکھا۔ رفتہ رفتہ اسی خانہ جنگی اور طوائف الملوکی میں خلافت عربوں کے ہاتھ سے نکل گئی اور اندلس یورپین اقوام کے زیر تسلط آ گیا۔''

ڈوزی اپنے بیان کی تائید میں مثالیں دیتا ہوا پہلے یمنیوں اور معدیوں کے اختلافات کا ذکر کرتا ہے پھر خوارج اور شیعوں کے درمیان جنگ و جدل کے واقعات بیان کرتا ہے۔ پھر کلبیوں اور قیسیوں کے باہمی جھگڑوں کو مثال میں پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ بتلاتا ہے کہ اسی خانہ جنگی کی بدولت عبدالرحمٰن اول کو اندلس پر قابض ہونے کا موقع ملتا ہے اور اس طرح اندلس میں دولت امویہ قائم ہو جاتی ہے۔

ڈوزی دولت امویہ کے قیام کے بعد بھی اندلس میں عربی قبائل کے باہمی اختلافات کا جائزہ لیتا ہوا یورپین اقوام کے ہاتھوں اس عظیم عربی شہنشاہی کی بربادی تک پہنچتا ہے۔ کاش! اگر ان میں یہ موروثی اختلافات نہ ہوتے تو ان کو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

جب یہ اختلافات صحراؤں اور سمندروں کو قطع کر کے تہذیب و تمدن کی آماجگاہ سرزمین اندلس تک پہنچ سکے ہیں تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان کیوں نہیں ہو سکتے۔(1) حالانکہ عربی عصبیت کا زور اس وقت بہت شدید تھا اور جاہلیت کی آگ بجھی نہ تھی۔

---

(1) اس امر میں کوئی صداقت نہیں کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں کوئی اختلاف تھا۔ حضرت علیؓ نے ہر موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی مدد کی ہے۔ اور باغیوں کے مقابل ہر دفعہ حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا ہے۔ پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس فتنہ کو بھڑکانے میں حضرت علیؓ کا ہاتھ تھا اور وہ در پردہ حضرت عثمانؓ کے خلاف باغیوں کی امداد کیا کرتے تھے؟ (مترجم)

ڈوزی ایک اور کتاب میں اسلامی نشاۃ اولیٰ' مدینہ میں خلافت کے قیام اور حضرت
کی شہادت کے واقعات پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اگرچہ اسلام کو اپنی متواتر فتوحات اور کامیابیوں کے دوران کوئی سخت مقابلہ نہیں آیا۔ پھر بھی مکہ کے سرداروں اور عرب میں شخصی حکومت کے حامیوں نے اس نئے کے مددگاروں کی ان کامیابیوں کو کبھی معاف نہیں کیا جو مسلمانوں نے ان پر حاصل کی تھیں انہوں نے کبھی صدقِ دل سے اس غلبہ کو قبول نہیں کیا جو توحید پرستوں نے ان پر قائم کیا تھا مختلف قبائل اور خاندانوں میں کسی بات پر جھگڑے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ظاہر کیا جاتا تھا کہ یہ جھگڑے محض شخصی جھگڑے ہیں اور ان سے قوم کے اتفاق اور اتحاد میں فرق نہیں پڑسکتا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا یہ جھگڑے کسی خاص غرض کو سامنے رکھ کر جاتے تھے اور اسی غرض اور مدعا کے گرد تمام تنازعات چکر لگاتے تھے۔

اس امر کا علانیہ ظہور اس وقت ہوا جب حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی وفات بعد 644ء میں زمامِ خلافت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کی عمر ستر سال تھی۔ وہ بہت حلیم' نرم مزاج اور ضعیف الارادہ تھے۔ مکہ کی ممتاز شخصیتوں' ان کے خاندانوں بنو امیہ پر ان کا بہت زبردست اثر تھا۔ یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے بیس سال تک محمد رسول اللہ ﷺ کی سخت مخالفت کی تھی اور آخر کار مجبور ہو کر اسلام لائے تھے۔ ان کے ایمان کا کوئی بھروسا نہ تھا لیکن ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں بڑے بڑے عہدے حاصل کیے جس دن آپ شہید کیئےگئے وہ دن ان کے لیے سخت ماتم کا دن تھا۔''

انگریزی مورخ سر ولیم میور لکھتا (1) ہے:

''حضرت عثمانؓ نے بارہ سال تک حکومت کی۔ عربی مصنفین بالاتفاق یہ بات لکھتے ہیں کہ آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال نہایت اطمینان اور آرام کے تھے لیکن آخری چھ سال بڑے اضطراب اور پریشانیوں میں کٹے۔ کسی حد تک یہ بات ٹھیک بھی ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اس کراہت اور بغاوت کے اسباب حضرت عثمانؓ کی ابتدائے خلافت ہی سے کارفرما تھے اور اس کے محرکات حسب ذیل تھے:

1- وہ دشمنی جو تمام عربی قبائل اور قریش کے درمیان قائم تھی۔

(1) ''خلافت'' از سر ولیم میور صفحہ ۱۹۹' ۲۰۰

بغض و عداوت کی وہ آگ جو ہمیشہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں بھڑکتی رہتی تھی۔ اس سلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ اموی اور بنوامیہ کے ایک ممتاز فرد تھے۔

عربی فوجیں جو اپنی عظمت کے نشہ میں چور تھیں اور فتح و نصرت کے ثمرات سے بہرہ ہو چکی تھیں اب تمام سلطنت میں پھیلی پڑی تھیں۔ شام میں ان کی باگ دوڑ کلی طور پر حضرت ناویہؓ کے ہاتھ میں تھی اور ان کی مرضی کے خلاف فوج کچھ نہ کر سکتی تھی۔ حضرت معاویہؓ کے اثر اقتدار اور قوت کا اصل باعث ان کے وہ زبردست اہلِ وطن تھے جو مکہ اور مدینہ کو چھوڑ کر دمشق راس کے مضافات میں آباد ہو گئے تھے لیکن بقیہ علاقوں اور شہروں کی حالت اس کے برعکس ی۔ وہاں کوئی ایسا زبردست ہاتھ نہ تھا جو عربی قبائل کو تھامے رکھتا۔ وہ طاقت اور حکومت کے ھمنڈ اور نشہ میں تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی شخص بھی ان پر حکمرانی اور برتری کا دعویٰ نہ کرے۔ وفہ اور بصرہ میں تو خصوصاً عصبیت اور فتنہ انگیزی کی روح ترقی پذیر تھی۔ یہی دو شہر تھے جہاں ضرت عمرؓ کے زمانہ میں سب سے پہلے عصبیت اور افتراق و انشقاق کی یہ روح پیدا ہوئی اور نضرت عمرؓ بھی اس سرکشی اور کج روی کی روک تھام نہ کر سکے۔ وہ لوگ اس منظم حکومت سے تنگ آ چکے تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اسلام کی کامیابی ان کی تلواروں سے ہوئی تھی اور وہ اپنی فتوحات کا ثمر حاصل کرنا چاہتے تھے' دوسرے اس لیے کہ اسلام نے اخوت اور مساوات کی آواز اٹھا کر ہر مومن خصوصاً ان لوگوں کو جن کی رگوں میں عربی خون دوڑ رہا تھا ایک ہی صف میں لاکر کھڑا کر دیا اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں دی تھی۔ اسلام نے ان لوگوں کو جو حقوق عطا کیے تھے ان کی رو سے کسی مسلمان کو کسی پر برتری جتانے کی اجازت نہیں تھی۔

خلفاء نبی علیہ السلام کے جانشین ہونے کی وجہ سے اپنے کام میں آزاد تھے۔ وہ کسی دستوری حکومت کے ماتحت نہیں ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ رائے عامہ کی قدر کرتے تھے اور اس کے آگے جھک جاتے تھے۔ وہ نہ صرف اپنے اردگرد کے سرکردہ اشخاص سے ہر موقعہ پر مشورہ لیتے تھے بلکہ اپنے عمال کو بھی اس بات پر مجبور کرتے تھے کہ وہ سرکردہ اشخاص سے مشورے طلب کرتے رہا کریں اور ان کی رائے پر چلا کریں۔ لیکن عرب قبائل ان امتیازات کو برداشت نہ کر سکے اور یہی چیز کوفہ اور بصرہ میں فساد و فتنہ بڑھکانے کا باعث بنی۔ اس طرح ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی جو حکومت اور قریشی اقتدار سے عناد و عداوت سے بھرپور تھی۔

دوسری وجہ اگرچہ اسلام کو زیادہ نقصان پہنچانے والی نہیں تھی لیکن خلافت اور خصوصاً حضرت عثمانؓ کی شخصیت کے لیے بہت زیادہ خطرہ کا باعث تھی۔ اگر قریش تختِ خلافت کے گرد

وفاداری سے مجتمع رہتے تو ضرور وہ عربی عصبیت کی روح کو پیدا ہوتے ہی فنا کر ڈالتے۔
حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور اپنے رشتہ داروں کی طرفداری نے بنی ہاشم میں حسد کی ر
پھونک دی اور انہوں نے حضرت علیؓ اور خاندان رسول ﷺ کے حقوق کے تحفظ کی آواز
کرنی شروع کر دی۔ ساتھ ہی وہ بنوامیہ کی اس شاخ کے خلاف بھی پروپیگنڈا کرنے لگے
سے حضرت عثمانؓ تعلق رکھتے تھے۔ یہ شاخ بدقسمتی سے بنوامیہ کی وہ شاخ تھی جس نے
سے آخر میں نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اعتراف کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ انہی لوگوں کو داد و
سے نوازا کرتے اور ان پر انعامات کی بارش کیا کرتے تھے جو اوائل اسلام میں اسلام کے بد
دشمن تھے اور اس کے مقابلے میں آ چکے تھے۔ ان لوگوں کی دشمنی کے زمانہ میں رسول کریم
نے ان کے متعلق جو باتیں فرمائی تھیں وہی باتیں لوگ پھر ان کے متعلق کرنے لگے۔ اس
جہاں ان لوگوں کی خفت اور رسوائی ہونے لگی وہاں حکومت بھی ندامت و بدنامی سے نہ بچ
جس نے ان لوگوں کو طاقت او رعزت بخشی تھی۔ اس طرح قریش ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ر
نے ان کے اثر ونفوذ کو کمزور کر دیا اور حضرت عثمانؓ ان لوگوں کی مدد سے محروم ہو گئے جو شو
سری اور بغاوت کی اس روح کو کچل سکتے تھے، جس نے دور کے شہروں میں اپنا اثر قائم کیا
تھا۔"

"ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ" میں (جو دنیا بھر کی تاریخی معلومات کا ایک نہایت
ضخیم مجموعہ ہے) لکھا ہے:

"شروع سے لے کر اب تک بلاد اسلامیہ شخصی اور جابر حکومتوں کے نیچے دبے رہے
ہیں۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ خلفاء راشدین کی حکومت
جمہوری طریقوں سے کام کرتی تھی اور تمام مسلمان رعایا حقوق و واجبات میں برابر تھی۔ کسی
پر کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہر شخص کو حکومت میں عمل دخل تھا وہ اس
کہ خلفاء بغیر اہل الرائے سے مشورہ لیے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ نظام حکومت کے ٹھوس بنیادوں پر قائم رہنے کے
امکانات نہیں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی بہترین سیاست اور حضرت عمرؓ کی سخت گیری نے اس نظام کو
مضبوطی سے قائم رکھا لیکن حضرت عثمانؓ ان صفات سے کامل طور پر متصف نہیں تھے جن صفات
سے ان کے دونوں پیشرو بہرہ ور تھے۔ ان صفات کی غیر موجودگی میں ناممکن تھا کہ اس زمانہ
میں عرب میں کامل طور پر امن بحال رہ سکتا اور مضبوط حکومت قائم ہو سکتی۔

حضرت عثمانؓ کی اس کمزوری کی وجہ سے جو خلافت کے زمانہ میں آپ سے ظاہر ہوئی' ملک میں گروہ بندیاں قائم ہوگئیں۔ ہر گروہ نے ایک نئے والی اور نئے خلیفہ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ان گروہوں میں کئی صحابہ اور کئی بااثر و بارسوخ آدمی بھی شامل تھے۔(1)

اس کے بعد یہ مولف اس بغاوت کا ذکر کرتا ہے جو بلادِ اسلامیہ میں رونما ہوئی۔ اور بتلاتا ہے کہ کس طرح مختلف علاقوں کے باشندے مدینہ پر چڑھ آئے اور خلیفہ کو اپنے مطالبات منظور کر لینے پر مجبور کرنے لگے۔ پھر ان لوگوں نے دارالخلافہ پر چڑھ آنے کے بعد حکومت کی کمزوری کو محسوس کیا اور اپنی قوت اور حکومت کی کمزوری کے احساس کے سبب انہوں نے کس طرح سرکشی اور فساد پر کمر باندھ لی۔ مولف لکھتا ہے کہ اگر مدینہ کی حکومت بزور ان کو مدینہ سے نکال دیتی۔ ان کے سرغنوں کو جلا وطن کر دیتی اور فسادیوں اور باغیوں کو منتشر کرنے میں تلوار کا استعمال کرتی تو یہ مفسدہ پرداز' صحابہ اور باشندگان مدینہ کی نظروں کے سامنے کبھی حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرنے کی جراءت نہ کرتے اور معاملہ خلیفہ کی شہادت اور حکومت اسلامیہ کی تباہی تک نہ پہنچتا۔

(14)

قریش میں اختلافات

ہم نے پچھلے ابواب میں اختلاف کے مختلف اسباب پر جو بحث کی ہے اس سے ناظرین کافی حد تک اس بدنظمی سے روشناس ہوگئے ہوں گے جو اس زمانہ میں رونما ہوئی تھی اور ان حالات کا علم انہیں اچھی طرح ہو چکا ہوگا جو قریش کے باہمی اختلافات سے پیدا ہوئے تھے۔

یہ قریش کا باہمی اختلاف ہی تھا جو اس اضطراب کے پیدا ہونے اور بغاوت کے پھیلنے کا بنیادی سبب بنا۔ اگر قریش متحد ہوتے' ان کی صفوں میں انتشار پیدا نہ ہوتا۔ ان کے کینے دبے رہتے تو یہ ناممکن تھا کہ باغی مدینہ میں حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیتے اور اپنے اغراض و مطالبات کو قوت اور طاقت کے بل پر خلیفہ' اہل شوریٰ اور کبار صحابہؓ کے سامنے پیش کرتے۔

(1) یہ غلط ہے۔ نہ کسی صحابی نے نئے خلیفہ کا مطالبہ کیا نہ باغیوں سے ہمدردی کا اظہار اور نہ فتنہ و فساد کو ہوا دی۔ (مترجم)

سب سے پہلے اختلاف کا اظہار جس نے قریش کو ٹکڑے ٹکڑے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا اس وقت ہوا جب ان کی ممتاز شخصیتوں کے درمیان اقتدار حاصل کرنے کے لیے کش مکش اور عداوت پیدا ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں بعض عمال کو بدل دیا تھا اور بعض کو معزول کر دیا تھا۔ مثلاً حضرت سعدؓ بن وقاص کو کوفہ سے، حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر سے، حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ سے واپس بلا لیا تھا اس سے ان کے دلوں میں جذبہ انتقام پیدا ہوگیا (1) اور انہوں نے حضرت عثمانؓ اور ان کے مقرر کیے ہوئے عمال کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو بھی ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور وہ ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

اگر امت کے ممتاز اشخاص باہمی عداوت سے باز رہتے اور مصالح عامہ کے پیش نظر آپس میں تعاون سے کام لیتے تو ان کا اتحاد کبھی یہ فسادات اور بغاوتیں برپا نہ ہونے دیتا لیکن جب دلوں میں کینے گھر کر جائیں، محبت کی جگہ عداوت اور نفرت لے لے، ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بجائے حسد پیدا ہو جائے تو فتنوں، فسادات، اضطراب اور بے چینی کے لیے آپ سے آپ راہیں کھل جاتی ہیں۔ یہی حال مدینہ کا بھی ہوا۔ اگر ان حالات کی چھان بین کی جائے اور حضرت عثمانؓ کے حق میں جو باتیں وہاں کے سربرآوردہ لوگ آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے کرتے تھے، ان پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ سے نفرت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اور بعض نے تو آپ کا لقب ہی نعثل رکھ دیا تھا (نعثل ایک مصری تھا جس کی داڑھی بہت لمبی تھی۔ اس سے حضرت عثمانؓ کو مشابہت محض آپ سے نفرت اور ناگواری کی وجہ سے دی جاتی تھی) اور تو اور بڑے بڑے صحابہؓ بھی ایسی باتیں علانیہ عام لوگوں کے سامنے کہتے تھے۔ (2) ظاہر ہے کہ یہ باتیں اضطراب، بے چینی اور بغاوت کو بڑھانے والی ہی ہوتی تھیں۔ انہوں نے حکومت اسلامیہ کو جسے اس وقت حضرت عثمانؓ اور آپ کے والی اور عمال چلا رہے تھے، سخت نقصان پہنچایا۔

---

(1) ایسے جلیل القدر صحابہؓ کے متعلق یہ الزام محض ایک اتہام ہے اور تاریخ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ فتنہ بھڑکانے میں ان حضرات کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ فتنہ بھڑکانے میں کوئی مدد نہیں کی بلکہ ہر موقعہ پر فتنہ کو فرد کرنے کی کوشش کی، اور باغیوں کو سخت ترین سزائیں دینے کے متعلق حضرت عثمانؓ پر زور دیا۔

(2) صحابہؓ پر حضرت عثمانؓ کی مخالفت کا اتہام کسی صورت میں بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر موقعہ پر انہوں نے نہایت جاں نثاری سے حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا۔ ان کی تصدیق کی اور انہیں باغیوں کا سر کچلنے کا مشورہ دیا۔ حتیٰ کہ مدینہ پر باغیوں کے قبضہ کے بعد اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر ان کا مقابلہ کیا۔ کیا ایسے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کا مخالف قرار دیا جا سکتا ہے۔؟ سبحانک هذا بهتان عظیم (مترجم)

حضرت عمروؓ بن العاص اپنی معزولی کی وجہ سے حضرت عثمانؓ سے بہت ناراض تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اپنے دل میں کینہ و بغض لیے مصر سے آئے اور جب مدینہ پہنچے تو آپ سے ملنے گئے۔ اس وقت وہ ایک یمنی جبہ پہنے ہوئے تھے جس کے اندر روئی بھری ہوئی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ:

''تمہارے جبے میں کیا ہے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''عمروؓ بن العاص۔''

حضرت عثمانؓ نے کہا:

''میں نے یہ تو نہیں پوچھا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اندر کھجور کے پتے بھرے ہوئے ہیں یا کچھ اور؟''

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ تم عبداللہ بن ابی سرح کو' جسے میں نے مصر میں تمہارا نائب بنا کر بھیجا تھا کس حالت میں چھوڑ آئے ہو؟

انہوں نے جواب دیا:

''جس طرح آپ نے چاہا۔''

حضرت عثمانؓ نے کہا:

''کیا مطلب؟''

حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:

''اپنے بارے میں خوب مضبوط' اللہ کے بارے میں کمزور اور ضعیف۔''

حضرت عثمانؓ نے کہا:

''میں نے تو اسے حکم دیا تھا کہ وہ تمہاری اطاعت کرے۔''

انہوں نے جواب دیا:

''آپ نے اسے ناحق اتنی ناقابل برداشت تکلیف دی۔''

اس گفتگو سے حضرت عمروؓ بن العاص کی حضرت عثمانؓ اور مصر کے جدید والی سے شدید ناراضی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بہتر اور زیادہ تجربہ کار خیال کرتے تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص ایک ذکی اور انتہائی ہوشیار انسان تھے۔ انہوں نے اپنی

ذکاوت سے اس اضطراب اور بے چینی کو معلوم کر لیا جو حضرت عثمانؓ کے خلاف پیدا ہو رہی تھی وہ مدینہ سے چلے گئے۔ فلسطین میں جا کر رہائش اختیار کر لی اور وہاں انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ وہ مدینہ کے بار بار چکر لگاتے رہتے تھے تاکہ حالات کا بنظر غائر مطالعہ کر سکیں۔ حضرت عثمانؓ ان کی ذکاوت اور پیش بینی کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی وہ مدینہ آتے آپ ان سے معاملات حکومت میں مشورہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے ملکی حالات کے متعلق ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا:

"میں دیکھتا ہوں کہ آپؓ ان باغیوں سے بہت نرمی کا سلوک کر رہے ہیں اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے حالانکہ آپ کو چاہیے کہ اپنے پیروکا طریقہ اختیار کریں اور سختی کے موقعہ سختی اور نرمی کے موقعہ پر نرمی برتیں۔(1) ان لوگوں کے ساتھ سختی ضرور کرنی چاہیے جو لوگوں کے ساتھ برائی کرنے سے باز نہ آئیں۔ اور ان لوگوں سے نرمی برتنی چاہیے جو سارے کام صلح صفائی سے طے کرنا چاہیں۔ لیکن آپ ہر ایک سے نرمی برت کے سب کے ساتھ یکساں سلوک کر رہے ہیں۔"

ایک دن حضرت عثمانؓ نے پھر حضرت عمروؓ بن العاص سے اس فتنہ کے متعلق ان کی رائے معلوم کی جو بلادِ اسلامیہ میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔

انہوں نے جواب دیا:

---

(1) قابل غور امر اس جگہ یہ ہے کہ جو شخص باغیوں کے متعلق یہ رائے رکھتا ہو اس کی نسبت یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان کا مخالف تھا۔ اگر حضرت عمروؓ بن العاص حضرت عثمانؓ کے مخالف ہوتے اور ان کو اپنے معزول کیے جانے کے متعلق حضرت عثمانؓ سے کینہ ہوتا تو کیا وہ باغیوں کا سر کچلنے کا مشورہ دے سکتے تھے۔ ایسا شخص تو خدا سے چاہتا ہے کہ فتنہ و فساد کا کوئی موقعہ پیدا ہو، اس شخص کے خلاف بغاوت کھڑی ہو اور میں اس سے فائدہ اٹھاؤں۔ اگر حضرت عمروؓ بن العاص کو حضرت عثمانؓ سے کینہ اور مخالفت ہوتی تو وہ اس موقعہ پر باغیوں کا ساتھ دیتے اور ان کو اپنے ساتھ ملا کر فتنہ کی آگ کو اور زیادہ بھڑکاتے۔ نہ یہ کہ وہ حضرت عثمانؓ کو ان کا سر کچلنے کا مشورہ دیتے۔ اس روایت کی موجودگی میں دوسری روایتوں کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ دراصل روایات میں اتنا تناقض ہو گیا ہے کہ ایک انسان کو اصل حقیقت معلوم کرنی سخت دشوار ہو گئی ہے اس موقعہ پر ہمیں صحابہؓ کے متعلق نیک ظنی ہی سے کام لینا چاہیے اور ان بے سروپا روایتوں پر قطعاً یقین نہیں کرنا چاہیے۔ جن لوگوں کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ فرمایا ہے کیا وہ ایسی باتیں کر سکتے ہیں۔ جن سے نہ صرف ان پر بلکہ رسول کریم ﷺ پر بھی حرف آتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ صحابہؓ کی تربیت ٹھیک طور پر نہ کر سکے۔ اور وہ محض اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے ایک دوسرے کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے بن گئے۔ (مترجم)

''آپ نے بنی امیہ کو لوگوں کے سروں پر مسلط کر دیا ہے۔ میں بھی کہتا ہوں اور لوگ بھی کہ آپ بھی اصل راستے سے ہٹ گئے ہیں اور آپ کے عمال و شرکاء بھی۔ آپ میانہ روی اختیار کیجئے اور ان کو معزول کر دیجئے۔ لیکن اگر آپ یہ نہیں مانتے تو اپنے ارادہ پر قائم رہئے اور جس طرح کام چلتا ہے اسے چلتا رہنے دیجئے۔''

طبری کی روایت ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص اپنی معزولی کے بعد سے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرنے لگے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ نے سنا تو انہیں بلا بھیجا اور اس طرح گفتگو کی:

''میں نے سنا ہے تم مجھ پر اعتراض کرتے رہتے ہو' میرے سامنے تمہارا طرز عمل اور ہوتا ہے اور میرے پیچھے اور!''

حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:

''لوگ تو اسی طرح باتیں بنایا اور اپنے والیوں کی ذات سے ایسی ہی جھوٹی باتیں منسوب کیا کرتے ہیں۔ امیرالمومنین! آپ کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔''

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

''میں نے باوجود تمہاری تنگ نظری کے تمہیں عامل بنائے رکھا حالانکہ تمہارے خلاف اکثر شکایتیں مجھے موصول ہوتی رہتی تھیں۔''

عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:

''میں تو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد سے عامل تھا اور جس وقت ان کی وفات ہوئی وہ مجھ سے خوش تھے۔''

حضرت عثمانؓ نے کہا:

اگر میں بھی اسی قسم کا سلوک کرتا جو حضرت عمرؓ نے تم سے کیا تھا تو تم ٹھیک رہتے۔ لیکن میں نے تم سے نرمی کی تو اب تم الٹا مجھے الزام دیتے ہو۔ کیا جاہلیت میں اور کیا خلیفہ ہونے سے پہلے' میں تو جتھے کے اعتبار سے تم پر فوقیت رکھتا تھا۔''

عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:

''ان باتوں کو چھوڑیئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسولِ اکرم ﷺ پر ہمیں ایمان لانے اور آپ ﷺ کے ذریعہ ہدایت پانے کی توفیق دی۔ البتہ آپ نے عاص بن وائل اور اپنے والد عفان کو ضرور دیکھا ہے اور عاص آپ کے والد سے زیادہ معزز تھے۔''

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

''ہمیں جاہلیت کی باتوں کو یاد ہی نہیں کرنا چاہیے۔''

غرضیکہ اسی قسم کی باتیں ان دونوں کے درمیان ہوئیں اور حضرت عمروؓ بن العاص حضرت عثمانؓ کے پاس سے ناراض ہو کر آپ پر اور آپ کی سیاست پر اعتراض کرتے ہوئے چلے آئے۔(1)

اسی طرح کا اختلاف حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف میں بھی پیدا ہو گیا اور ان دونوں کے درمیان سخت خط و کتابت ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت عثمانؓ کے عہد ہی میں وفات پا گئے۔

حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے شروع میں ان صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے مشیر تھے اور ولایات کے سلسلہ میں ان والیوں کی رائے پر اعتماد کرتے تھے جو حضرت عمرؓ کے عمال تھے۔ لیکن پھر انہوں نے اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کے مشوروں پر ہی انحصار کرنا شروع کر دیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جب انہوں نے بعض علاقوں میں اٹھتے ہوئے فتنہ کی خبریں سنیں تو یہ خیال کیا کہ ان کے اہل و عیال اور اہل خاندان ہی ان کے مددگار اور دوسروں سے زیادہ مخلص ثابت ہوں گے لیکن حضرت عثمانؓ کی اس سیاست نے ان قریشیوں کو جو بنی امیہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے' سخت ناراض کر دیا۔ حضرت عثمانؓ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھی آپ سے انتہائی ناراض تھے۔(2) اور جیسا کہ کتاب ''فجر الاسلام'' میں لکھا ہے ان کی ناراضی اور بھی بڑھی جب حضرت عثمانؓ نے امویوں کی پشت پناہی کرنی شروع کر دی اور اکثر عمال انہی میں سے بنائے۔ آپ کا کاتب اور پرائیویٹ سیکرٹری مروان بن الحکم بھی اموی تھا۔ اسلام نے جاہلی عصبیت کے خلاف جو میدان تیار کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے جس کی غور و پرداخت میں اپنا سارا وقت صرف کیا تھا

(1) جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے صحابہؓ سے یہ بات بعید ہے۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجا ہو وہ ایسی معمولی باتوں پر کسی صورت میں جھگڑ نہیں سکتے۔ اس قسم کی ساری روایتیں بالعموم ان لوگوں کی ہیں جنہوں نے حالات کا غلط مطالعہ کیا۔ یا پھر ان سے غلط نتائج اخذ کیے یا جنہوں نے اپنے دل میں خواہ مخواہ اس بات پر یقین کر لیا کہ حضرت عثمانؓ کمزور خلیفہ تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ واقعی ایسے کمزور تھے تو سارے جھگڑے اور ساری بغاوتیں ان کی خلافت کے اوائل ہی میں کیوں نہ رونما ہو گئیں اور کیوں نو دس برس تک انہوں نے نہایت اطمینان سے خلافت کی؟ (مترجم)

(2) حضرت علیؓ جیسے مقدس انسان پر یہ الزام کہ وہ اقتدار حاصل کرنے کے خواہشمند تھے اور اسی بنا پر خدا کے خلیفہ سے بھی وہ ناراض تھے' محض ایک اتہام ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بعد سب سے پہلے حضرت علیؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا' حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے (ابن سعد جزو ۳ صفحہ ۴۳)

ن کو اسی مروان اور اس کے ساتھیوں نے ملیا میٹ کر ڈالا۔ (1)
ر انہوں نے اس طرح حکومت کرنی شروع کی گویا حکومت امویوں کی ہے عربوں کی نہیں۔ اس
ر عمل نے اس پرانی دشمنی کو دوبارہ زندہ کر دیا جو جاہلیت کے زمانہ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ میں
تھی۔ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد میں بعض ایسی چھوٹی چھوٹی جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں جو بار بار
لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے معزول کرنے اور آپ کی جگہ کسی اور کو خلیفہ مقرر کرنے پر اکساتی رہتی
تھیں۔ بعض ایسی جماعتیں بھی تھیں جو حضرت علیؓ کی خلافت کا پراپیگنڈہ کرتی رہتی تھیں۔ ان کا
سب سے مشہور سردار عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ یمنی یہودی تھا جو بعد میں محض دنیا کے دکھاوے کو
اسلام لے آیا تھا۔ یہ شخص بصرہ، کوفہ، شام اور یمن میں پھرتا رہتا تھا، اور کہتا تھا:

''ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؓ محمد رسول اللہ ﷺ کے وصی ہیں۔ اب اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو رسولِ کریم ﷺ کی وصیت کو پورا نہ کرے اور آپ ﷺ کے وصی کا حق غصب کر لے۔''

یہ شخص ان لوگوں کا سب سے بڑا سرغنہ تھا جنہوں نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف ابھارا۔ حتیٰ کہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔

یعقوبی کہتا ہے کہ:

''حضرت عثمانؓ نے اپنے قرابت داروں کو ترجیح دی، اپنے خاندان والوں کی ہر معاملہ میں پشت پناہی کی اور اللہ اور مسلمانوں کے اموال سے گھر اور جائیداد بنائی اور دولت و ثروت جمع کی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ صحابی اور عبدالرحمٰن بن حنبل کو جلاوطن کر دیا۔ حکم بن ابی العاص اور عبداللہ بن ابی سرح کو جو رسولِ کریم ﷺ کے پھٹکارے ہوئے تھے پناہ دی۔ ہرمزان کے قتل کو جائز قرار دے کر عبیداللہ بن عمر کو اس کے قصاص کے طور پر قتل نہ کرایا۔ ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا دیا جس نے نماز میں بدعتیں شروع کر دیں لیکن ان بدعتوں سے بھی اس کو منع نہ کیا۔'' (2)

---

(1) یہ امر کہ حضرت عثمانؓ نے سارا کام مروان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا تھا، ایک ایسا الزام ہے جس کی کسی طرح بھی تصدیق نہیں ہوتی۔ بیشک مروان حضرت عثمانؓ کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا لیکن امور سلطنت کا سارا کام حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں تھا اور آپ سختی کے ساتھ ہر بات کی نگرانی کرتے تھے۔ اگر مروان وغیرہم میں سے کوئی بے راہ روی کا مرتکب ہوتا تو آپ اس کو بھی ضرور سزا دیتے۔ اگر مروان کے ہاتھ ہی میں سب کچھ تھا تو جو عمال حضرت عثمانؓ نے برطرف کیے وہ کس طرح برطرف ہو سکتے تھے! (مترجم)

(2) یہ ایک انتہائی متعصب آدمی کی رائے ہے۔ اس نے جو الزامات اور اتہامات حضرت عثمانؓ پر لگائے ہیں وہ بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی قسم کی تحقیقات کے لگائے ہیں اور ان کا رد ہم اپنے الفاظ میں پیش کر چکے ہیں۔

یعقوبی ایک اور جگہ حضرت عائشہؓ کی حضرت عثمانؓ سے کشیدگی کا بھی ذکر کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت عائشہ کو جو وظیفہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ملتا تھا حضرت عثمانؓ نے اس میں کمی کر دی تھی۔ حضرت عائشہؓ موقعہ کی تلاش میں رہیں۔ چنانچہ ایک روز جبکہ حضرت عثمانؓ خطبہ دے رہے تھے انہوں نے رسولِ کریم ﷺ کی ایک چادر لوگوں کو دکھائی اور فرمایا:

''اے لوگو! یہ رسولِ کریم ﷺ کی چادر ہے جو اب تک میلی نہیں ہوئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے آپ کی سنت کو بدل ڈالا۔''

جب فتنہ کھڑا ہوا اور معاملہ انتہائی نازک مرحلہ پر پہنچ گیا تب بھی حضرت عائشہؓ نے آپ کے اور باغیوں کے درمیان صلح کرانیکی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس موقعہ پر مروان آپ کے پاس گیا اور آپ سے دونوں فریقوں میں صلح کرانے کی درخواست کی۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے معذوری ظاہر کی اور کہا میں تو حج کو جا رہی ہوں۔ مروان نے کہا اگر آپ نے صلح کرا دی تو حضرت عثمانؓ آپ کو ایک درہم کے بدلہ میں جو آپ اس سلسلہ میں خرچ کریں گی، دو درہم دیں گے۔

اس پر حضرت عائشہ نے جواب دیا:

''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں عثمانؓ کے معاملہ میں کسی شک میں ہوں۔ خدا کی قسم میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اگر مجھ میں ان کے اٹھانے کی طاقت ہو تو انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں۔''(1)

(1) تعجب ہے کہ مورخین کس بے تکلفی کے ساتھ اور بغیر تحقیق کے اس قدر سخت الزام جلیل القدر صحابہؓ پر کس طرح لگا دیتے ہیں جن کے ثابت کرنے کے لیے نہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہوتی ہے اور نہ نقلی۔ وہ حضرت عائشہؓ جو یہ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر خداتعالیٰ تم کو خلافت کا جامہ پہنائے تو تم اس کو اپنی خوشی سے نہ اتارنا (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۶۳) وہ کس طرح یہ کہہ سکتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے رسول کریم ﷺ کی سنت کو بدل ڈالا۔ یاد رہے کہ حضرت عائشہؓ کی حضرت عثمانؓ سے کشیدگی کی روایت یعقوبی کی بیان کردہ ہے جو حضرت عثمانؓ کا سخت دشمن تھا۔ اس امر کی موجودگی میں اس کی روایت کا کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو حضرت عثمانؓ سے کسی قسم کی کدورت نہ تھی اور کوئی اختلاف آپ کو ان سے نہ تھا۔ حضرت عائشہ کا حج کے سفر میں باغیوں کے ایک سرغنہ محمد بن ابی بکر کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرنا صاف ثابت کر رہا ہے کہ حضرت عائشہ دل سے چاہتی تھیں کہ کسی طرح اس فتنہ کی شدت کم ہو۔ انہوں نے محمد بن ابی بکر کو سمجھایا بھی کہ تم اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ، مگر وہ نہ مانا۔ خود حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے تذکرہ میں فرمایا:

''خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمانؓ کی کسی قسم کی بے عزتی ہو اگر کیا ہو تو ویسی ہی حالت میری بھی ہو۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں اور اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں۔ اے عبیداللہ بن عدی (ان کے باپ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکا نہ دے اصحاب رسول کے کاموں کی تحقیر اس وقت تک نہ کی گئی جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہوا جس نے حضرت عثمانؓ پر طعن کیا۔ اس نے وہ کہا جو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وہ پڑھا جو نہیں پڑھنا چاہیے تھا، اس طرح نماز ادا کی جس طرح ادا نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ہم نے ان کے کارناموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہؓ کے اعمال کے قریب تک نہ تھے۔'' (یہ پوری تقریر حضرت امام بخاریؒ نے جز خلق افعال العباد میں نقل کی ہے صفحہ ۷۶، مطبع انصاری دہلی)

یہ روایت حضرت امام بخاریؒ نے نقل کی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کی نقل کردہ روایت اور دوسرے لوگوں کی نقل کردہ روایتوں میں سے لازماً حضرت امام بخاریؒ کی روایت کو ہی ترجیح ہوگی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ اور بیت المال کے خزانچی کے درمیان بھی چپقلش اور منافرت تھی۔ نقاد اس جھگڑے کو بھی آپ کی مالی سیاست پر اعتراض کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ جھگڑا آپ کے اور بیت المال کے خزانچی کے درمیان اس مال کے بارہ میں تھا جو بیت المال کی حفاظت کے لیے اس کو ملا کرتا تھا۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ حضرت عثمانؓ نے اس سے کہا:

''تو ہمارا خزانچی ہے جب ہم تجھے دیں تو تو لے لیا کر۔ لیکن جب ہم نہ دیں تو خاموش رہا کر۔''

خزانچی نے جواب دیا:

''ایسا نہیں ہے۔ میں آپ کا خزانچی نہیں ہوں اور نہ آپ کے خاندان کا۔ میں تو مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔''

جمعہ کے روز جب حضرت عثمانؓ خطبہ دے رہے تھے تو وہ بیت المال کی کنجیاں لے کر آیا اور کہنے لگا کہ عثمانؓ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان کا اور ان کے خاندان کا خزانچی ہوں ۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں یہ لو اپنے بیت المال کی کنجیاں۔

یہ کہہ کر اس نے وہ کنجیاں سامنے پھینک دیں۔ حضرت عثمانؓ نے اٹھا کر زیدؓ بن ثابت کے حوالے کر دیں۔(1)

ان سب باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دلوں میں کس قسم کے کینے اور بغض بھرے ہوئے تھے۔ یہی باتیں اس بغاوت کا باعث ہوئیں جس کا تفصیلی ذکر ہم آئندہ فصول میں کریں گے۔

(15)

کوفہ میں فتنہ

کوفہ فساد کا گڑھ تھا۔ فساد کی چنگاریاں سب سے پہلے یہیں سے اٹھی تھیں۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا والی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے امیر بیت المال عبداللہ بن مسعود کے ذریعہ بیت المال سے

(1) اس الزام پر بحث ہم پیش لفظ میں کر آئے ہیں۔ (مترجم)

کچھ رقم قرض لی۔ جب ادائے قرض کا وقت آیا تو ابن مسعود ان کے پاس آئے اور اس رقم کا مطالبہ کیا۔ لیکن سعد کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ وہ رقم ادا کر سکتے۔ انہوں نے معذوری ظاہر کی۔ ان کے درمیان بات بڑھ گئی۔ ابن مسعود اور سعد بن ابی وقاص دونوں نے لوگوں کو اپنے اپنے ساتھ ملا لیا۔ بعض لوگوں نے سعد کو قرض کی ادائیگی میں دیر کرنے پر ملامت شروع کی اور بعض نے ابن مسعود کو قرض وصول کرنے میں سختی اور شدت کرنے پر برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب حضرت عثمانؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے ان دونوں کو سزا دینی چاہی۔ لیکن اس کے بعد، صحیح حالات کی تحقیق کرنے پر سعد بن ابی وقاص کو ولایت کوفہ سے معزول کر دیا اور ابن مسعود کو خراج وصول کرنے پر بدستور مقرر کئے رکھا۔ سعد کی جگہ آپ نے ولید بن عقبہ کو والی مقرر کیا جو حضرت عمرؓ کے عہد میں الجزیرہ کا عامل تھا۔ ولید نے آتے ہی لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ پانچ سال اس نے گزارے لیکن اس کے گھر کی ڈیوڑھی تک نہ تھی۔

ولید کی ولایت کے اثناء میں یہ واقعہ ہوا کہ کوفہ کے کچھ نوجوانوں نے ایک گھر میں نقب لگائی اور گھر کے مالک کو قتل کر دیا۔ اس کا پڑوسی یہ سب واقعہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے پولیس کے محافظوں کو مدد کے لیے پکارا۔ پولیس آئی اور ان ڈاکوؤں کو جن میں زہیر بن جندب ازدی، مورع بن ابی مورع اسدی اور شبیل بن ابی ازدی شامل تھے گرفتار کر لیا۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور قتل کا جرم ثابت ہونے پر وہ قتل کر دیئے گئے۔ ان کے والدین کے دلوں میں ولید کے خلاف کینہ پیدا ہوگیا اور وہ اس سے انتقام لینے کے لیے کسی موقعہ کی تلاش میں لگے رہے۔ ولید کے پاس بعض داستان گو تھے جو رات کو اسے قصے اور داستانیں سنایا کرتے تھے۔ ان میں ایک ابوزبید الطائی بھی تھا۔ یہ شخص پہلے عیسائی تھا پھر مسلمان ہوگیا۔ شراب پینے میں مشہور تھا۔ جب ولید کوفہ کا والی مقرر ہوا تو ابوزبید اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے پاس آیا۔ یہ شاعر بھی تھا۔ ولید نے اس کو اپنے داستان گویوں میں شامل کر لیا۔ چنانچہ یہ اس کے پاس آنے جانے لگا۔ ایک روز اسی ٹولی کا ایک شخص جس کے بیٹوں کو ولید نے قتل کرا دیا تھا، اپنی ٹولی میں آیا اور کہنے لگا:

"تمہیں کچھ اور بھی خبر ہے؟ ولید ابوزبید کے ساتھ بیٹھا ہوا شراب پی رہا ہے۔"

ان لوگوں کو اور کیا چاہیے تھا۔ انہوں نے یہ بات تمام شہر میں پھیلا دی اور ہر طرف اسی کا چرچا ہونے لگا۔ بعض بیوقوف اس ٹولی کے ساتھ ہو لیے اور یہ سب مل کر اسی وقت ولید

رہائش گاہ پر پہنچے۔ ولید اس وقت ابوزبید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا لیکن شراب کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اب ان بیوقوفوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ ان فسادیوں کو لعنت ملامت کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

ولید نے اس بات کو چھپائے رکھا اور خلیفہ تک کو اس کی خبر نہ کی۔ لیکن اس کے دشمن اپنی کاروائیوں سے باز نہ آئے وہ ابن مسعود کے پاس پہنچے اور انہیں اس واقعہ سے آگاہ کیا:

ابن مسعود نے کہا:

"اگر کوئی شخص اپنی باتیں ہم سے چھپانا چاہتا ہے تو ہمارا یہ کام نہیں کہ ان کی ٹوہ میں رہیں۔ وہ جانے اور اس کا کام۔"

جب ولید کو اس کی اطلاع پہنچی تو اسے بہت رنج ہوا اور اس نے ابن مسعود سے شکوہ کیا کہ آپ نے ان فسادیوں کو ایسا جواب دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو بھی مجھ پر شک ہے۔ بتلایئے میں نے کیا چیز چھپائی ہے؟

اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں میں شکر رنجی پیدا ہوگئی۔ ان مفسدوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مدینہ جا کر ولید کی شکایت کرنے اور اس پر شراب نوشی کا الزام لگانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ان میں سے دو شخص ولید کے خلاف شہادت دینے کے لیے مدینہ روانہ ہوگئے۔ ان کے ساتھ بعض ایسے لوگ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عثمانؓ کو معلوم تھا کہ ان کو ولید نے انتظام ملکی سے بالکل علیحدہ کر رکھا ہے۔ یہ سب مل کر مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ سے جا کر شکایت کی کہ ولید شراب پیتا ہے۔ اور ان دو آدمیوں نے شہادتیں دیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ولید کو بلا بھیجا اور اسے معزول کر کے اس پر حد جاری کر دی۔

ولید کے بعد حضرت عثمانؓ نے سعید بن عاص کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ وہ جب کوفہ روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ یہی لوگ تھے جنہوں نے ولید پر ناحق تہمت لگائی تھی۔ ان کے نام یہ تھے:

مالک المعروف بہ اشتر نخعی

ابوخشہ غفاری

جندب بن عبداللہ

ابومصعب بن جثامہ

سعید بن عاص منبر پر چڑھے اور حمد وثنا کے بعد کہا:

''مجھے اپنے اس تقرر سے کوئی خوشی نہیں ہے۔ لیکن تمہیں بہرحال میرا حکم ماننا پڑے گا۔ فتنہ سر اٹھا رہا ہے' میں اس کو سختی سے کچل دوں گا اور اس میں تمہیں میری مدد کرنی پڑے گی۔''

سعید نے کوفہ میں آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ وہاں کے معتبر اشخاص سے وہاں کے حالات اور باشندوں کے متعلق مکمل واقفیت حاصل کی اور بایں الفاظ حضرت عثمانؓ کو رپورٹ بھیجی:

''کوفہ میں حالات بہت زیادہ بگڑتے جا رہے ہیں۔ یہاں اوباش اور دین سے ناواقف لوگ غالب ہیں اور شرفا مغلوب۔ اوباشوں کے ہاتھوں شرفاء کی عزت' مال اور جان تک محفوظ نہیں ہے۔''

حضرت عثمانؓ نے ان کو جواب میں لکھا:

''جو لوگ بڑی بڑی قربانیاں کر کے پہلے پہل دشمنوں کے مقابلہ کے لیے آئے تھے اور جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ کو مسلمانوں کے قبضہ میں دیا تھا ان کو ہر کام میں مقدم رکھو اور ان کی عزت و احترام میں فرق نہ آنے دو۔ دوسرے لوگ ان کے تابع ہوں۔ لیکن اگر وہ دین سے بے توجہی برتیں اور اس کو صحیح طور پر قائم رکھنے میں سستی سے کام لیں تو بے شک ان لوگوں کو آگے جگہ دینی چاہیے جو ان سے زیادہ دینی کاموں میں چستی دکھاتے ہوں۔ ہر ایک کے مرتبہ کا خیال رکھو اور بربنائے انصاف ہر ایک کو اس کا حصہ دو۔ کیونکہ لوگوں کے صحیح مرتبہ کا خیال رکھنے سے ہی عدل قائم کیا جا سکتا ہے۔''

سعید نے شہر کے معززین و شرفاء اور جنگ قادسیہ میں شریک ہونے والے مجاہدین کو بلا بھیجا اور ان سے کہا:

تم شہر کے معزز لوگ ہو۔ چہرہ کا کام یہ ہوتا ہے کہ تمام جسم کا حال بتلائے۔ اس لیے تم ہر حاجت مند کی حاجت اور ضرورت مند کی ضرورت میرے پاس پہنچایا کرو۔''

ان لوگوں کے ساتھ ایسے لوگ بھی اس مجلس میں تھے جن کا شمار معززین اور شرفاء میں نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت سعیدؓ بن العاص کا روئے سخن صرف معززین و شرفاء کی جانب تھا۔ اس پر ان اوباشوں اور مفسدوں کی آتش غضب اور بھڑک اٹھی۔ ان کے ساتھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے جو سعید بن العاص کی توجہ اور لطف و عنایت کو اپنی طرف کھینچنے میں ناکام رہے تھے۔ ان فسادیوں کو جنہوں نے ولید کو معزول کرایا تھا' یہ امید تھی کہ سعید ان کو انتظام ملکی میں

وافر حصہ دیں گے، ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کریں گے اور اپنے ہر مشورہ میں ان کی شرکت ضروری سمجھیں گے۔ لیکن جب ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں تو انہوں نے اپنا قدیم مشغلہ اختیار کر لیا اور سعید کے خلاف شور و غوغا اور ان کی سیاست اور ان کے کاموں پر نکتہ چینی شروع کر دی۔

سعید کی مجلس میں صرف چند مخصوص لوگوں ہی کو آنے کی اجازت تھی اور یہ وہی لوگ تھے جن کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ وہ شہر کے شرفاء، معززین اور قادسیہ کے مجاہدین تھے لیکن کبھی کبھی وہ ایسی مجلسیں بھی منعقد کیا کرتے تھے جن میں عام آدمیوں کو بھی بیٹھنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ایک دن سعید اسی قسم کی ایک مجلس میں بیٹھے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ دوران گفتگو میں جیش اسدی نے طلحہ بن عبیداللہ کی سخاوت کا ذکر کر دیا۔ سعید نے کہا:

''جس شخص کے پاس اتنی دولت و ثروت ہو، اسے اتنا ہی سخی ہونا چاہیے۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس اتنا مال ہوتا تو تم سب کو نہال کر دیتا۔'' اس پر ایک نوجوان بول اٹھا۔

''آپ اپنے لیے ملطاط کیوں نہیں لے لیتے؟''

(ملطاط آل کسریٰ کی ایک بڑی وسیع جاگیر تھی جو دریائے فرات پر کوفہ سے بالکل ملی ہوئی تھی)

اس پر مفسدین نے جن میں اشتر نخعی، عمر بن ضابی اور اسی قماش کے دوسرے لوگ شامل تھے، اس نوجوان سے کہا:

''خدا تیرے منہ کو توڑے، ہماری زمین کو تو اس کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔''

اور ساتھ ہی جوش میں آ کر اس نوجوان کو مارنا شروع کر دیا اور جب اس کے باپ نے اسے بچانا چاہا، تو اس غریب کو بھی گھیرے میں لے لیا۔ یہ سب کچھ سعید کی مجلس میں ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ قریب تھا کہ بلوہ ہو جائے مگر سعید نے ان فسادیوں کو دھکے دے کر اپنی مجلس سے نکلوا دیا اور آئندہ کے لیے ان لوگوں کا اپنی مجلس میں آنا بالکل بند کر دیا۔

ان لوگوں کی اصل غرض یہ تھی کہ امیر اور اس کے ساتھ کام کرنے والوں کے خلاف فتنہ پھیلائیں۔ اب انہوں نے علی الاعلان اہل حکومت پر نکتہ چینیاں شروع کر دیں۔ سعید اور شرفاء کوفہ نے حضرت عثمانؓ کو تمام حالات سے اطلاع دی اور ان فتنہ پردازوں کے متعلق ان کی رائے طلب کی۔ حضرت عثمانؓ نے لکھا:

''اگر روسائے کوفہ متفق ہوں تو ان فسادیوں کو شام میں معاویہ کے پاس بھیج دو۔''

چنانچہ سعید نے ایسا ہی کیا اور ان کو کوفہ سے نکال کر حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ ابتداء میں حضرت معاویہؓ ان سے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے۔ ان کی عزت و تکریم کی اور انہیں اپنی گفتگو کے دوران میں فتنہ و فساد سے دامن بچانے کی تلقین کرتے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھ لیا کہ سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلے گا اور یہ لوگ اب تک اپنے آپ کو کوفہ میں سمجھ رہے ہیں تو انہوں نے انہیں سخت ڈانٹ پلائی اور کہا:

''یاد رکھو! یہ کوفہ نہیں شام ہے۔ اگر تم نے اپنی اصلاح نہ کی تو شام والے تم سے اس بری طرح پیش آئیں گے کہ میں ان کا والی اور امام ہوتے ہوئے بھی تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا اور وہ تمہاری تکا بوٹی کر کے رکھ دیں گے۔''

اس کے بعد امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ وہ ان لوگوں کی اصلاح کرنے سے بالکل عاجز آ گئے ہیں اور شام میں ان کا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو حمص عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی طرف چلتا کر دیں۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ دمشق سے نکلے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوفہ کا رخ تو کرنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ وہ لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ ہم سے ہنسی ٹھٹھا کریں گے اور ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے عراق اور شام کو چھوڑ کر جزیرہ چلو۔ چنانچہ وہ جزیرہ چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو جو حمص میں تھے ان کے آنے کا حال معلوم ہو گیا۔ عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کو بلایا اور کہا:

''یاد رکھو اگر تم نے یہاں فتنہ و فساد کی ذرا بھی کوشش کی تو میں تمہیں اتنی سخت سزا دوں گا کہ سب قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔ مجھے پتا نہیں تم عرب ہو یا عجمی۔ خدا مجھے ذلیل کرے اگر میں تمہیں ٹھیک نہ کر دوں۔ خبردار! مجھے معاویہ نہ سمجھنا' میں خالد بن ولید کا بیٹا ہوں۔ اس شخص کا بیٹا جس نے فتنہ ارتداد کو دور کیا تھا۔ اس شخص کا بیٹا جو بڑے بڑے امتحانوں میں کامیاب نکلا تھا۔ اے صعصعہ بن ذل (ان مفسدین میں سب سے بڑا فتنہ پرداز شخص) اچھی طرح کان کھول کر سن لے کہ اگر تیرے ساتھیوں میں سے کسی نے کسی شخص کے سامنے فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش کی تو تجھے اتنی شدید سزا دوں گا کہ تیرے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گی۔''

اس کے بعد سے عبدالرحمٰن نے یہ دستور بنا لیا کہ جب کبھی دورہ پر جاتے' ان کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ جب کبھی ان کے پاس سے گزرتے ان سے کہتے:

''اب تو تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے۔''

ں پر وہ توبہ تلا کرتے اور اپنے کرتوتوں کی معافی چاہتے۔ کچھ عرصہ کے بعد اشتر حضرت عثمانؓ کے پاس گیا اور نادم و تائب ہونے کے بعد آپ سے اپنے ساتھیوں کے لیے معافی کا خواستگار وا۔

حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو کوفہ واپس بھیج دینا چاہا۔ لیکن وہ رضامند نہ ہوئے اور جزیرہ ہی میں رہنے کی خواہش ظاہر کی۔

اسی اثناء میں سعید نے اپنے عمال اور امراء کو فارس کے قریبی علاقے میں پھیلا دیا۔ س طرح کوفہ رؤساء و اشراف اور مخلص لوگوں سے خالی ہوگیا۔ ادھر سعید کو حضرت عثمانؓ نے دینہ بلا بھیجا۔ اب لوگ انہی مفسدین کے زیر اثر رہنے پر مجبور ہوگئے۔ ان کو جو موقع ملا تو پھر ای سرکشی' بغاوت اور فساد پر اتر آئے۔ جب سعید نے کوفہ واپس آنے کا ارادہ کیا تو جرعہ کے مقام پر مفسدین ان سے ملے اور انہیں اپنا امیر ماننے سے انکار کر کے واپس کر دیا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس چلے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بجائے اس کے کہ سختی اور شدت سے کام لیتے' اہل کوفہ کے مطالبہ کو مانتے ہوئے ابوموسیٰ اشعری کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔

مندرجہ بالا واقعات سے کوفہ کا مکمل حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اور پتا چلتا ہے کہ کس طرح وہاں مفسد غالب آ گئے۔ حکومت کے کام میں ضعف پیدا ہوگیا' اطاعت کا نام و نشان تک نہ رہا اور قوم حاکموں کے اثر سے بالکل آزاد ہوگئی۔

(16)

بصرہ میں فساد

بصرہ عراق کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ ایک وقت میں تو یہاں کے لوگ سرکشی اور حکام کی خلاف ورزی میں کوفہ کے لوگوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے' انہوں نے اپنے پہلے عامل ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا بیان گزر چکا ہے۔ بصرہ والوں نے جب حضرت عثمانؓ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی جگہ کسی نئے عامل کے تقرر کا مطالبہ کیا تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا والی مقرر کر دیا ابن عامر کی فتوحات اور ایران میں ان فتوحات کے اثرات بیان ہو چکے ہیں۔ ابن عامر کی امارت بصرہ' بحرین کے اعمال پر مشتمل تھی۔ اپنی امارت کے تیسرے سال ان کو پتا چلا کہ قبیلہ عبدالقیس میں حکیم بن جبلہ کے ہاں ایک شخص آ کر اترا ہے۔ حکیم بن جبلہ دراصل ایک ڈاکو تھا جس کا کام لوٹ مار کرنا' ذمیوں کو ستانا اور فساد پھیلانا تھا۔ تنگ آ کر

ذمیوں اور اس کے علاقے کے باشندوں نے حضرت عثمانؓ سے شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ
عبداللہ بن عامر کو حکم دیا کہ وہ حکیم اور اس کے ساتھیوں کو بصرہ میں نظر بند کر دیں اور اس وقت
تک نہ چھوڑیں جب تک ان کو اس بات کا پختہ یقین نہ ہو جائے کہ اب اس نے اپنی عادتوں
سے توبہ کر لی ہے۔ چنانچہ ابن عامر نے ایسا ہی کیا اور حکیم کو نظر بند کر دیا۔

اسی اثناء میں بصرہ میں ایک شخص آیا جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا اور کنیت ا
السوداء۔ عبداللہ بن سبا اسی حکیم کے ہاں آ کر اترا۔ یہ دراصل یہودی تھا لیکن لوگوں کو گ
کرنے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ وہ ان سے کہتا پھرتا تھا کہ عجیب بات
لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے تو قائل ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ محمد رسول اللہﷺ
بھی دوبارہ آئیں گے۔ لوگ اس کی باتوں کو بہت توجہ سے سنتے تھے کیونکہ ناواقف لوگ دین
باتوں کو سمجھنے اور ان پر غور وفکر کرنے کے عادی نہ تھے۔ پھر وہ ان سے کہتا تھا:

''مسلمانو! تعجب ہے کہ تم میں اہلبیت موجود ہیں پھر بھی مناصب حکومت میں ان
کوئی حصہ نہیں دیا جاتا اور ان کو بالکل پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔''

وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا جن کو سن کر سادہ لوح اشخاص اس کے معتقد ہو جا
تھے۔ اس کی باتوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کو رسول کریمﷺ اور اہل بیت سے انتہائی محبت
عقیدت ہے۔ لیکن درپردہ وہ لوگوں کو خلافت سے نفرت دلانے کی کوشش کرتا رہتا تھا جو اس
خاص مقصد تھا۔

جب ابن عامر کو یہ خبریں پہنچیں تو انہوں نے اس کو بلایا اور پوچھا:

''تم کون ہو؟''

اس نے کہا:

''میں پہلے یہودی تھا' اب اسلام لے آیا ہوں اور آپ کے سایہ عاطف میں ر
ہوں۔''

ابن عامر نے اس کو بصرہ سے نکال دیا۔ وہاں سے وہ کوفہ آیا اور وہاں سے بھی نک
گیا۔ پھر وہ شام اور شام سے مصر چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنے لیے میدان سازگار پایا اور فس
کے بیج بونے لگا جو آگے چل کر خوب برگ و بار لائے۔

(17)

مصر میں بے چینی

مصر میں عراق سے بھی بدتر حال تھا۔ کیونکہ عبداللہ بن سبا نے یہاں آتے ہی فتنہ کی آگ بھڑکانے اور اپنی گمراہ کن تعلیمات لوگوں میں رائج کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں تھیں۔ بصرہ اور کوفہ کے اکثر باشندوں کو وہ پہلے ہی گمراہ کر چکا تھا۔ وہ کہتا تھا' مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ لیکن ساتھ ہی یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ واپس نہیں آئیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے: ان الذی فرض علیك القرآن لو آدك الی معاد۔ (وہ ذات جس نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے وہ ضرور تجھے تیرے لوٹانے کی جگہ پر واپس لائے گی) اس لیے حضرت رسول اکرم ﷺ' حضرت عیسی علیہ السلام سے زیادہ دنیا میں واپس آنے کے مستحق ہیں۔

اور اس طرح وہ تناسخ کا گمراہ کن عقیدہ ان میں رائج کرنے لگا۔ وہ ان سے یہی کہتا کہ ''ہزاروں نبی ہوئے ہیں' ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے وصی ہیں۔ حضرت رسول اکرم ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو رسول کریم ﷺ کی وصیت کو پورا نہ کرنے اور رسول کریم ﷺ کے وصی کا حق چھین لے۔''

حضرت عثمانؓ کے متعلق وہ کہتا تھا:

''عثمانؓ نے خلافت بغیر کسی حق کے ہتھیالی ہے اور وصی رسول اللہ ﷺ کا حق چھین لیا ہے۔ تم لوگ اس معاملہ کو آگے لاؤ۔ سب سے پہلے امراء پر اعتراضات شروع کرو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دو۔ اس طرح لوگوں کو اپنی طرف مائل کرو اور اس معاملہ کی طرف ان کو بلاؤ۔

جب اس نے دیکھا کہ مصری اس کی دعوت قبول کرنے پر تیار ہیں اور اس کی باتوں کی تائید کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں تو اس نے اپنے والیوں کو تمام ملک میں پھیلا دیا اور ان لوگوں سے جو شہروں میں فساد برپا کرنا چاہتے تھے خط و کتابت شروع کر دی۔ اس کے حواری مختلف شہروں کے باشندوں کو ان شہروں کے والیوں کی برائیاں خوب بڑھا چڑھا کر لکھتے اور اس طرح فتنہ کی آگ بھڑکاتے۔ جب یہ خبریں مدینہ پہنچیں تو صحابہؓ میں بہت اضطراب اور بے چینی

پیدا ہوئی۔

مدینہ مہاجرین' انصار اور خلافت کا مرکز تھا۔ یہ چہار طرف سے مختلف علاقوں کے لوگ اپنی شکایات لے کر مدینہ میں ہی آتے تھے اور یہاں کے لوگوں سے ہی ظلم وستم کے ازالہ کے لیے مدد مانگتے تھے۔ اہل مدینہ بھی اس بات کو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ جب اس فتنہ کی خبریں اور سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت عمال کی شکایت کثرت سے اہل مدینہ کو پہنچنے لگیں تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے پوچھا:

''امیرالمومنین! کیا آپ کو بھی وہ اضطراب انگیز خبریں پہنچ رہی ہیں جو ہمیں پہنچتی ہیں!''

انہوں نے حیران ہو کر کہا:

''نہیں' مجھے تو خیر وعافیت کی خبریں ہی مل رہی ہیں۔''

اس پر اہل مدینہ نے سارے معاملہ کی آپ کو اطلاع کی اور مشورہ دیا کہ آپ ہر علاقہ میں لوگوں کو بھیجیں جو وہاں کے حالات کی اچھی طرح تفتیش کریں اور پتا چلائیں کہ ان شکایتوں میں کہاں تک صداقت ہے جو عمال کے متعلق کثرت سے پہنچ رہی ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ایسا ہی کیا اور مختلف اشخاص کو سلطنت کے تمام صوبوں میں حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ محمدؓ بن مسلمہ کو کوفہ' اسامہؓ بن زید کو بصرہ' عبداللہ بن عمر کو شام اور عمارؓ بن یاسر کو مصر بھیجا۔ اسی طرح اور دوسرے علاقوں میں بھی لوگ بھیجے۔ کچھ عرصہ کے بعد عمارؓ کے سوا باقی سب واپس آ گئے اور انہوں نے آ کر بیان کیا کہ ہم نے ان خبروں میں کوئی صداقت نہیں پائی جو مدینہ میں پہنچ رہی تھیں۔ ان علاقوں کا نظم ونسق بالکل ٹھیک ہے۔ اور ان کہانیوں میں ذرہ برابر صداقت نہیں ہے کہ امراء لوگوں پر ظلم کرتے اور ان کے حقوق غصب کر لیتے ہیں۔

حضرت عمارؓ بن یاسر ہی ایسے تھے جن کو اہل مصر نے بہلا پھسلا کر اپنے حق میں کر لیا تھا۔ انہوں نے ان کی خوب خاطر مدارات کی۔ ان لوگوں میں پیش پیش عبداللہ بن سوداء' خالد بن ملجم' سودان بن حمران وغیرہم تھے۔ مصر میں حضرت عثمانؓ کے سب سے زیادہ دشمن دو شخص تھے:

ایک تو محمد بن ابی حذیفہ' جس کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ اس نے حضرت عثمانؓ سے کسی علاقہ کی ولایت طلب کی تھی لیکن آپ نے انکار کر دیا تھا۔

دوسرا محمد بن ابی بکرؓ یہ اپنے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے بہت بڑی شخصیت سمجھتا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ایک موقعہ پر اس کے ساتھ سختی کی تھی جس پر یہ آپ کا سخت دشمن ہوگیا اور اس کے دل میں آپ کی طرف سے کینہ بیٹھ گیا۔ اس وقت سے یہ آپ کو معزول کرنے کی فکر کرنے لگا۔ عمارؓ بن یاسرؓ کا زیادہ وقت انہی دو آدمیوں کے ساتھ گزرنے لگا۔ ان کو بھی حضرت عثمانؓ سے کچھ شکر رنجی ہوگئی تھی کیونکہ حضرت عثمانؓ نے ان پر عباس بن عتبہ بن ابی لہب پر حملہ کرنے کی وجہ سے حد جاری کی تھی۔

(18)

شام میں اشتراکیت

دوسرے شہروں کے برخلاف شام کی حالت بالکل پرسکون اور اطمینان بخش تھی کیونکہ حضرت معاویہؓ کا زبردست اقتدار وہاں بغاوت کے جراثیم کو پھلنے پھولنے کی مہلت قطعاً نہیں دے سکتا تھا۔ حضرت معاویہ میں عقلمندی، حزم و احتیاط، ضبط اور سختی انتہا درجہ کی تھی اور ان کی ان صفات سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔

مفسدین نے سلطنت کے ہر علاقہ میں فساد کے بیج بونے اور عام رعایا کو اپنے والیوں اور خلیفہ کے خلاف ابھارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ لیکن شام اس فتنہ سے بالکل محفوظ تھا۔ حضرت معاویہ کی بے نظیر سیاست کی وجہ سے اس وسیع علاقے کے باشندوں کی اطاعت اور وفاداری میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ معاویہ ان کو جس رستے پر چلانا چاہتے تھے وہ اسی رستے پر چل پڑتے تھے۔ وہ اپنی سیاست میں مختار مطلق تھے۔ ان پر کوئی شخص حرف گیری نہیں کر سکتا تھا۔ اور الا ماشاء اللہ ہر شخص ان کی مرضی کے موافق کام کرتا تھا۔

ابن سبا شام میں بھی آیا تھا۔ وہ خباثت اور عقلمندی کا پتلا تھا۔ ہر علاقے میں وہاں کے حالات کے مطابق اس کا طرز عمل بالکل جداگانہ ہوتا تھا۔ اسکی دور بین نظر ایسے آدمیوں کو فوراً تاڑ لیتی تھی جو اس کی مرضی کے موافق کام کر سکتے تھے یا کسی نہ کسی رنگ میں اس کے مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ شام میں بھی اس نے ایک ایسے ہی آدمی کو تاڑا۔ وہ تھے حضور ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ آپ نہایت پرہیزگار اور متقی انسان تھے۔ آپ نے نہایت فقیرانہ اور غریبانہ طرز زندگی اختیار کر رکھی تھی اور مال جمع کرنے کو نہایت ناپسند کرتے

تھے۔ ابن سبا ان کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''حضرت! دیکھیے کیا غضب ہے۔ معاویہ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کہتے ہیں کیا ہر چیز اللہ کی ہی نہیں ہوتی؟'' دراصل اس سے معاویہ کا مقصد یہ ہے کہ بیت المال اموال کو مسلمانوں پر خرچ نہ کیا جائے اور اس پر سے مسلمانوں کا نام اڑا کر خود ہی خرچ کر جائے۔''

حضرت ابوذرؓ بیچارے سیدھے سادے آدمی تھے۔ ان کو کیا خبر کہ اس سے ابن السوداء کا کیا مطلب ہے وہ اسکے کہنے میں اکر حضرت معاویہ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

''آپ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہیں۔''

معاویہ کہنے لگے:

''ابوذر! خدا آپ پر رحم کرے' کیا ہم اللہ کے بندے نہیں ہیں اور تمام مال اسی کا نہیں ہے؟ کیا تمام مخلوقات اسی کی مخلوق نہین ہے اور کیا تمام جہان میں اسی کا حکم نہیں چلتا؟''

ابوذر کہنے لگے:

''خیر پھر بھی احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ائندہ اس کو اللہ کا مال نہ کہیں۔''

معاویہ نے جواب دیا:

''میں یہ تو ہرگز نہیں مانوں گا کہ بیت المال کے اموال اللہ کے اموال نہیں ہیں لیکن محض آپ کی خاطر آئندہ ان کو اموال المسلمین کہا کروں گا۔''

حضرت ابوذرؓ سے اپنا کام نکلوانے کے بعد ابن السوداء ابوالدرداؓ کے پاس پہنچا اور ان سے بھی اسی طرح کی باغیانہ باتیں کہیں۔ مگر وہ اس کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آئے اور اس کی دال وہاں بالکل نہ گل سکی۔ لیکن اس کی باتوں نے حضرت ابوذرؓ میں ایک خاص جوش پیدا کر دیا جس کی بناء پر آپ نے شام میں اس قسم کی تقریریں کرنی شروع کر دیں۔

''اے امیروں کے گروہو! اور غریبوں پر ظلم کرنے والو! ان لوگوں کو ''بشاررت'' ہو جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے' قیامت کے روز اسی چاندی اور اسی سونے کو گرم کر کے ان کے چہروں' پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے۔''

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ غریبوں اور مسکینوں میں ان باتوں سے جوش پیدا ہو گیا انہوں نے امیروں پر دست درازیاں شروع کر دیں۔ امرا نے حضرت معاویہؓ سے اس

ب کی شکایت کی جو ابوذر لوگوں کو درمیان خصوصاً طبقہ فقراء و مساکین میں پھیلا رہے تھے۔
اس پر حضرت معاویہؓ کو خطرہ کا احساس ہوا۔ چونکہ حضرت ابوذرؓ حضرت رسول کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور سابقون الاولون میں سے تھے اس لئے وہ براہ راست ان کیخلاف ئی کارروائی نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے اس معاملہ کی رپورٹ حضرت عثمانؓ کو بھیجی۔ آپ نے اب دیا:

''معلوم ہوتا ہے فتنہ اب پھوٹ پڑنے کو ہے۔ تم ابوذرؓ کو نہایت احترام کے ساتھ ے پاس مدینہ روانہ کر دو۔''

چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حضرت ابوذرؓ کو مدینہ روانہ کر دیا۔ جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ سے پوچھا۔

''ابوذر! یہ کیا بات ہے اہل شام آپ کی شکایت کیوں کرتے ہیں؟''

ابوذر نے سارا واقعہ بتلایا اور کہا کہ بیت المال کے اموال کو اموال اللہ نہیں کہنا چاہیے اور امیروں کو یہ مناسب نہیں کہ وہ مال جمع کریں۔

حضرت عثمانؓ نے کہا:

''ابوذرؓ! رعایا کے جو فرائض مجھ پر عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کرنے اور رعایا پر جو حقوق واجب ہوتے ہیں ان کو طلب کرنا میرا کام ہے۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ میں لوگوں کو ترک دنیا پر مجبور کروں۔ میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ انہیں میانہ روی اور خدمت دین کی تعلیم دوں۔''

اس پر حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا:

''آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں مدینہ چھوڑ دوں اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر زبذہ کی بستی میں جا کر بودوباش اختیار کرلوں۔''

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو زبذہ جانے کی اجازت دے دی اور ان کے لئے گزارہ بھی مقرر کر دیا۔ حضرت ابوذرؓ کی وفات 32ھ میں زبذہ ہی میں ہوئی۔

اس تمام احترام کو برقرار رکھتے ہوئے جو حضرت ابوذرؓ کا ہمارے دل میں ہے پھر بھی ہمیں اس بات کے کہنے میں کوئی باک نہیں کہ انہوں نے اشتراکیت کا جو راستہ اختیار کیا تھا اس کا اسلام نے قطعاً کوئی حکم نہیں دیا اور نہ ان کے لئے یہ مناسب ہی تھا کہ وہ اس کی تائید میں وہ طریقے استعمال کرتے جو انہوں نے کیے۔ اسلام نے تفریط اور ایسے امور اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جو انسانی طاقت سے باہر ہوں بلکہ اس نے میانہ روی کو ہی ہر جگہ مقدم رکھا

ہے۔ اگر مسلمان اسلام پر پوری طرح عامل ہوں اور اس کی صحیح تعلیمات کے مطابق احکا
اسلامی کا نفاذ کریں تو وہ کسی صورت میں بھی اس راستہ کو اختیار نہیں کر سکتے جس کو حضرت ابوذ
نے اختیار کرلیا تھا۔ اس اشتراکیت کے خدوخال بظاہر تو بہت اچھے نظر آتے ہیں لیکن دراصل و
بالکل ناممکن العمل ہے۔ اسلام اشتراکیت کے راستہ کو چھوڑ کر ایک درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے
جسے صحیح طور پر اپنا لینے سے نہ غریب آدمی غربت میں بڑھتا چلا جاسکتا ہے اور نہ امیر آدمی
امارت میں۔

واقعہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اس اشتراکیت سے بالکل مختلف ہے اور اس کے
اصول ان اشتراکی اصولوں سے بالکل علیحدہ ہیں جن کے داعی آج کل روس اور اس کے ساتھ
ممالک ہیں۔ اسلام کے اصول اشتراکیت کے اصولوں سے بہت زیادہ مضبوط، سود مند او
پائیدار اور مسلمانوں کے لئے صرف وہی اصول کارآمد ہو سکتے ہیں جو اسلام نے پیش کیے ہیں
کیونکہ یورپ اور دنیا کے دوسرے ممالک میں تو انسان آپس میں بیٹھ کر قانون بناتے ہیں لیکن
اسلام کے احکام تو الٰہی احکام ہیں اور مسلمان رہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہی احکام کا نفا
ہو اور انہی پر عمل بھی کیا جائے۔ زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس
سے ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم میں اکثر جگہ اس کا ذکر نماز کے ساتھ آیا ہے۔ اگر مسلمان شرع
مقدار کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں تو روئے زمین پر ایک مسلمان بھی ایسا باقی نہ رہے جس کو فقیر کہا
جا سکے۔ بجائے اس کے کہ اشتراکیت کے داعی مسلمانوں میں اس کی تبلیغ کریں۔ اس کے
جراثیم حکومت سے بغض و عداوت پیدا کرنے وار طبقاتی جنگ کو بھڑکانے کے لئے لوگوں میں
پھیلائیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کے اس ضروری رکن زکوٰۃ کو قائم کرنے کے لئے
ضروری تدابیر اختیار کریں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک نظام کے ماتحت اس کو جمع اور خرچ کیا جا
اور اسلامی سلطنتیں اس بارہ میں ضروری اقدامات روا رکھیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو مسلمانوں میں فق
وغربت کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ طبقاتی امتیازات فنا ہو جائیں گے۔ غریب اور امیر کے
درمیان کوئی تفریق نہ باقی رہے گی۔ اونچے طبقہ کی طرف سے نچلے طبقہ پر کیے جانے والے ظل
اور زیادتیاں بالکل ختم ہو جائیں گی۔ کیونکہ جس طرح نماز مسلمانوں کو یہ سکھلاتی ہے کہ خدا
دربار میں غریب و امیر سب برابر ہیں اور نماز میں ایک بادشاہ کے ہم پہلو ایک غریب مفلس
اور قلاش کو کھڑے ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی ایک ا
کے دل میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ یہ کوئی خیرات نہیں جو میں اپنے غریب بھائی کو دے رہا ہو

بلکہ یہ غریبوں کا حق ہے کہ وہ حکومت کی وساطت سے میرے مال میں شریک رہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کے مال میں شریک ہو اس سے حقارت کا برتاؤ نہیں کیا جاتا بلکہ برابری کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

لیکن ہم افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سوائے شاذونادر افراد کے باقی سب نے زکوۃ کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور دین کے اہم ترین فرض سے بے توجہی اور لاپروائی برت رہے ہیں اس لئے ہر دم اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں وہ اشتراکیت کی گود میں نہ جا گریں۔ ان کو اس عظیم خطرہ سے بچانے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ صحیح اسلامی شریعت کو قائم کیا جائے اور زکوۃ کا نظام ایک پروگرام کے تحت شرعی حدود کے ساتھ قائم کیا جائے۔ اگر مسلمانوں نے اسلام کے اس ضروری اور مقدس فرض کو پوری طرح قائم کر لیا تو یقیناً وہ اشتراکیت کے تباہ کن سیلاب سے بچ جائیں گے۔

(۱۹)

والیوں کا اجتماع

سعید بن العاص والی کوفہ کو حضرت عثمانؓ نے مدینہ بلایا تھا اس سے پہلے سعید روساء کوفہ کو مختلف شہروں میں عمال بنا کر بھیج چکے تھے۔ جب سعید بن العاص بھی مدینہ چلے گئے تو فتنہ کے سرغنوں نے موقع کو غنیمت سمجھا اور ان پر بالکل بے بنیاد اور شرمناک الزامات لگا کر لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے لگے اور انہیں اس بات پر اکسایا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ان کی معزولی کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ سینکڑوں آدمیوں کا ایک جتھا اسی غرض کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ لوگ ابھی راستے ہی میں تھے کہ ان کو سعید بن العاص ملے جو کوفہ واپس جا رہے تھے ان لوگوں نے ان سے کہا۔

''مہربانی کر کے آپ بطور والی کوفہ میں داخل نہ ہوں۔''

سعید نے جواب دیا۔

''یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ ایک آدمی کو روکنے کے لئے ہزار آدمی نکلیں۔ یہ کافی تھا کہ ایک آدمی میری طرف بھیج دیتے اور ایک آدمی خلیفہ کی طرف۔''

اس کے بعد وہ واپس آ گئے۔ ان لوگوں نے ان کے غلام کو قتل کر دیا۔ مدینہ واپس آ کر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو تمام معاملہ کی خبر دی۔ آپ نے پوچھا۔ ''وہ کس کو چاہتے ہیں؟''

سعید نے کہا۔ ''ابوموسیٰ اشعریؓ کو''

حضرت عثمانؓ نے کہا:

''ہم نے ابوموسیٰ کو ان کا والی مقرر کر دیا۔ خدا کی قسم ہم ان کو کسی عذر کا موقع دیں گے۔ کوئی حجت' کوئی دلیل ان کے ہاتھ نہ آنے دیں گے۔ میں ان کی باتوں آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق عمل کروں گا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے جس کا یہ ارادہ کرتے ہیں۔''

جب حضرت عثمانؓ نے یہ محسوس کیا کہ اب فتنہ شدت اختیار کرتا جا رہا ہے انہوں نے تمام والیوں کو مدینہ بلا بھیجا۔ جو والی مدینہ پہنچے وہ حسب ذیل تھے:

1- معاویہؓ بن ابی سفیان والی دمشق

2- عبداللہ بن ابی سرح والی مصر

3- سعید بن العاص والی کوفہ (ان کو کوفہ والوں نے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی نکال دیا تھا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

4- عبداللہ بن عامر والی بصرہ' بحرین

5- عمرو بن العاص (جو مدینہ میں ہی موجود تھے)

جب یہ تمام لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''ہر آدمی کے وزیر اور مشیر ہوتے ہیں۔ تم لوگ میرے وزیر اور مشیر ہو۔ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں۔ سب تمہیں معلوم ہے وہ مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میں اپنے اعمال کو معزول کر دوں۔ ان تمام لوگوں کو جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں۔ واپس بلا لوں اور جن لوگوں کو وہ پسند کرتے ہیں ان کو ان معزول شدہ گورنروں کی جگہ بھیج دوں۔ اب آپ سب مجھے اس بارہ میں اپنی رائے بتائیں۔''

عبداللہ بن عامر نے کہا:

''امیر المومنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو جہاد کا حکم دیں۔ اس طرح ان کی توجہ بٹ جائے گی۔ جب وہ جنگوں میں مشغول رہیں گے تو خود بخود آپ کے مطیع ہو جائیں گے ان کو صرف اپنی ہی فکر ہوگی۔ فتنہ و فساد کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ ملے گا۔''

سعید بن العاص نے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا:

''اگر آپ ہماری رائے لینا چاہتے ہیں تو اصل بیماری کو اپنے سے دور کیجئے اور

کانٹے آپ کی راہ میں حائل ہیں ان کو ہٹا دیجئے اور میری رائے پر عمل کیجئے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یقیناً فتنہ وفساد کا نام ونشان تک نہ رہے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے پوچھا:

"وہ کیا رائے ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہر گروہ کا ایک سردار اور رہبر ہوتا ہے۔ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو تمام گروہ منتشر ہو جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی طاقت اور جرات باقی نہیں رہتی۔ پس آپ کو چاہیے کہ اس فتنہ کے بانیوں اور سرغنوں کا سر کچل دیں۔ یہ فتنہ اپنی موت آپ مرجائے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"رائے تو بہت صحیح ہے لیکن میں ناحق مسلمانوں کا قتل عام نہیں کرنا چاہتا۔"

حضرت معاویہؓ نے ان الفاظ میں رائے دی:

"امیر المومنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اعمال کو ان کے اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ کر دیجئے اور ہر عامل کو اپنی ولایت میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ دار بنائیے۔ میں خود شام میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوں گا۔"

عبداللہ ابی سرح بولے:

"امیر المومنین! یہ لوگ لالچی ہیں ان کو بیت المال سے کچھ دے دیجئے۔ پھر کیسا فتنہ اور کہاں کا فساد۔ سب دھواں بن کر اڑ جائے گا اور ان کے دل آپ کی طرف مائل ہو جائیں گے۔"

اگر حضرت عثمانؓ میں ذرا بھی سختی ہوتی تو وہ عبداللہ بن عامر یا سعید بن عاص کی رائے پر ضرور عمل کرتے۔ لیکن ان کی کمزوری اور نرمی نے ان کو کسی رائے پر عمل نہ کرنے دیا۔ حالانکہ ان دونوں کی رائیں بہترین رائیں تھیں اور ان میں سے کسی رائے پر عمل کرنے سے فتنہ کا قلع قمع ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ بجائے ان مشوروں پر عمل اور اکابر مفسدین کا قلع قمع کرنے کے خود مفسدین کے آگے جھک گئے اور انہوں نے کوفہ میں اس شخص کو مقرر کر دیا جس کا وہ مطالبہ کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی اس پالیسی کو سیاست کی اچھی مثال نہیں کہا جا سکتا۔ نہ اس سے حکومت کا وقار ہی قائم ہو سکتا تھا۔ اہل کوفہ کے نام حضرت عثمانؓ نے جو خط لکھا تھا اس سے بھی حضرت عثمانؓ کی کمزوری کا پتا چلتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اثر و اقتدار حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور آپ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گئے

تھے۔(1)

اہل کوفہ نے جب اپنے والی کو لوٹا دیا۔ اس کے غلام کو قتل کر دیا اور اس کی بجائے ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنا والی بنانے کی درخواست کی تو حضرت عثمانؓ نے ان کو لکھا:

''جس کو تم نے چاہا میں نے تمہارا والی مقرر کر دیا ہے۔ اور سعید کو جسے تم ناپسند کرتے تھے واپس بلا لیا ہے۔ خدا کی قسم جب تک مجھ میں طاقت ہے میں محض تمہاری بھلائی کی خاطر اپنی ذلت گوارا کر لوں گا۔ صبر کرتا رہوں گا اور اس بات کی پوری کوشش کروں گا کہ جس طریقے سے بھی ہو تمہاری اصلاح کروں اور اس غرض سے ہر وہ چیز تمہیں دے دوں گا جو تم مجھ سے مانگو گے بشرطیکہ اس سے احکام خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو میں ہر طرح تمہیں مطمئن کرنے کی سعی کروں گا تاکہ بعد کو مجھ پر کوئی الزام نہ آئے۔''

اسی طرح کے خطوط انہوں نے دوسرے شہروں میں بھی لکھے یہ کمزوری اور ضعف کی ایک جدید مثال تھی جس کا لوگ حضرت عمرؓ کے وقت میں گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایک شریف آدمی پر تو یہ باتیں اثر کر سکتی ہیں لیکن کمینہ آدمی ایسی باتوں کو کمزوری اور خوف پر محمول کرتا ہے اور فتنہ و فساد برپا کرنے میں اور بھی تن دہی سے کوشش کرنے لگتا ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر شہر میں مفسدین اور فتنہ پردازوں کی ایک جماعت موجود تھی جو ہر ممکن طریقہ سے جھوٹی خبروں کی اشاعت کرنے' خلافت سے نفرت دلانے' ظنوں و شبہات میں لوگوں کو مبتلا کرنے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں ہر وقت مشغول رہتی تھی۔

یہ بات مستبعد نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی اسی قماش کا ایک گروہ موجود ہو جو اس آگ کو بھڑکاتا اور فتنہ و فساد برپا کرنے کی کوششوں میں مشغول رہتا ہو۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو ضروری ہے کہ ایسی باتوں کی اشاعت سے جو کثرت سے مدینہ کے لوگوں کو پہنچتی رہتی

---

(1) دراصل حضرت عثمانؓ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ باغی راہ راست پر آ جائیں۔ آپ کو ڈر تھا کہ اگر ان پر سختی کی گئی تو فتنہ کا ایک دروازہ کھل جائے گا۔ اسی ڈر سے آپ نے ان سے نرمی کا سلوک کیا اور ان کے ایسے مطالبوں کو جن کو پورا کرنے سے شریعت کے احکام کو ٹھیس نہیں لگتی تھی پورا کر دیا۔ اس امید میں کہ شاید اس سے متاثر ہو کر اپنی کرتوتوں سے باز آ جائیں اور جو شورش انہوں نے برپا کر رکھی ہے اس کو چھوڑ کر پرامن شہریوں کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ یہ حضرت عثمانؓ کی رحم دلی اور آپ کے قلب کی صفائی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت عثمانؓ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں اس وقت ہر قسم کی طاقت تھی اور اس کو کام میں لا کر آپ دم بھر میں ان کی طاقت کو نیست و نابود کر سکتے تھے۔ (مترجم)

ہیں۔ علاوہ اور لوگوں کے خود صحابہ کرامؓ بھی حضرت عثمانؓ سے بدظن ہو گئے ہوں۔ آپ پر
رح و قدح اور اعتراضات کرنے لگے ہوں اور آپ کی مدد اور مدافعت سے دست کش ہو گئے
وں۔ چنانچہ اسی قبیل کا ایک واقعہ تاریخوں میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس
ئے اور آپ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے غصہ سے حضرت علیؓ کی باتیں
نیں اور فرمایا:

''کاش تم میری جگہ ہوتے' میں نہ کبھی تم پر غصہ کا اظہار کرتا ہوں' نہ تم پر کوئی عیب
لگاتا ہوں۔ ہمیشہ صلہ رحی کرتا ہوں اور قرابت کو کبھی نہیں توڑتا۔ لوگوں کی حاجت براری کرتا
ہوں۔ میں بھی والی مقرر کرنے میں انہی خصوصیات کو ملحوظ رکھتا ہوں جن خصوصیات کو عمرؓ ملحوظ رکھا
کرتے تھے۔ کیا عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو والی نہیں بنایا تھا حالانکہ وہ ان کے رشتہ دار تھے۔ پھر
اگر میں نے اپنے رشتہ دار اور قرابتی عبد اللہ بن عامر کو والی بنا دیا تو مجھ پر اعتراض کیوں کرتے
ہو؟''

حضرت علیؓ نے فرمایا:

''عمرؓ جب کسی شخص کو والی بناتے تھے اور انہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ان کے
احکام کی خلاف ورزی کی ہے تو وہ اس سے بہت سختی کا معاملہ کرتے تھے۔ لیکن آپ ایسا نہیں
کرتے بلکہ ہمیشہ اپنے اقربا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔''

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

''تم جانتے ہو کہ معاویہؓ عمرؓ کے تمام زمانہ خلافت میں والی رہے۔ اگر میں نے بھی
ان کو والی بنائے رکھا تو کون سا جرم کیا؟''

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

''میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو پتا نہ تھا عمرؓ کا خوف معاویہ
کے دل پر کس قدر مسلط رہتا تھا۔''

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

''ہاں مجھے خوب پتا ہے۔''

حضرت علیؓ نے کہا:

''لیکن اب معاویہ آپ سے پوچھے بغیر سلطنت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ آپ کو
بھی اس امر کا پتا ہے۔ لیکن لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ عثمانؓ کے حکم سے کر رہا

ہوں۔ آپ کو یہ باتیں پہنچتی ہیں لیکن آپ معاویہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتے۔(1)

اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو حضرت عثمانؓ کی باتون میں کوئی وزن نظر نہیں آتا۔ کیونکہ کسی کو والی مقرر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے ذریعہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس طرح سے رشتہ داروں اور اہل خاندان کا بھلا ہو۔ یہ بات سب پر عیاں ہے رسول کریم ﷺ نے اپنے عہد میں بنی ہاشم میں سے کبھی کسی کو والی یا عامل نہیں بنایا حالانکہ آپ کے قرابتی اور رشتہ دار تھے۔ یہی طرز عمل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا بھی رہا۔ خصوصاً حضرت عمرؓ کے تو خاندان میں ایسے شخص موجود تھے جو والی بنائے جانے کے مستحق تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی اپنے رشتہ داروں کو کسی اعتبار سے بھی دوسروں پر ترجیح نہیں دی۔ اسی طرح وہ کبھی کسی عامل کی غلطی، برائی اور قصور پر خاموش نہیں بیٹھے، بلکہ ہر غلطی پر اس کو سخت تنبیہ کی۔ یہی امور تھے جن کی وجہ سے آپ نے اپنے عہد میں حکومت کو اوج ترقی پر پہنچا دیا تھا اور اس زمانہ میں چمنستان اسلام پر بہار آئی ہوئی تھی۔

لیکن یہ بھی واقعہ ہے جس سے مورخ کبھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت عثمانؓ کا دل بالکل صاف اور آپ کا ضمیر بالکل پاک تھا۔ آپ نفاق، بدظنی اور فساد کی راہوں سے کوسوں دور تھے۔ اس لئے اگر آپ اپنے عزیز و اقارب کی نسبت حسن ظن رکھتے تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ دوسروں کے مقابلہ میں آپ سے اخلاص کا برتاؤ کریں گے امور سلطنت کو اچھی طرح سرانجام دیں گے اور قرابت کی وجہ سے آپ کے بہترین مددگار ثابت ہوں گے تو ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے رشتہ داروں پر دوسروں کی نسبت زیادہ اعتماد کرنا ایک فطری بات ہے اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

طبری میں آتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے شام جاتے ہوئے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا:

”اے امیر المومنین ! قبل اس کے کہ فتنہ پھوٹ پڑے آپ میرے ساتھ شام چلیے۔ شام ان فتنوں سے بالکل محفوظ ہے۔“

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ:

”میں رسول اللہ ﷺ کا قرب کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا خواہ اس میں میری گردن ہی کیوں نہ ماری جائے۔“

---

(1) واقدی، ابن اثیر، طبری

حضرت معاویہؓ نے پھر کہا کہ "اگر یہ صورت آپ کو قبول نہیں تو پھر میں شام سے ایک لشکر آپ کی حفاظت اور فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ بھیج دوں۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ:

"میں ایک لشکر کی وجہ سے رسول کریم ﷺ کے قرب میں رہنے والے مہاجرین اور انصار کی زندگی اجیرن نہیں کر سکتا اور ان کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا:

"پھر تو آپ کی جان ہر وقت خطرہ میں ہے۔"

حضرت عثمانؓ کا جواب صرف یہ تھا۔

"حسبی الله و نعم الوکیل"

جب حضرت معاویہؓ سفر کے لئے نکلے تو انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو راستہ میں کھڑا پایا۔ آپ وہاں ٹھہر گئے اور ان سے فرمایا۔

"حکومت ایک ایسی چیز ہے جس پر قدیم زمانہ سے لوگ لڑتے مرتے چلے آئے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ دین اسلام کا روشن آفتاب چمکا اور اپنی شعاعوں سے ظلمت کدہ کفرستان کو روشن کر دیا تو لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اس وقت قدامت اور سابقیت اسلام کا لحاظ کیا گیا۔ علم و اجتہاد کا پاس رکھا گیا اور اب تک یہی طریقہ جاری ہے۔ اگر لوگ اسلامی طریقہ پر قائم رہیں اور اس پر عمل کریں تو یہ خلافت انہی بزرگوں میں رہے گی اور باقی لوگ ان کے تابع ہوں گے۔ لیکن اگر یہ دنیا کی طرف جھک گئے اور بزور خلافت پر قبضہ کرنا چاہا تو یہ نعمت ان سے سلب کر لی جائے گی اور حکومت و ریاست خداوند تعالیٰ دوسروں کو دے دے گا۔ اللہ تعالیٰ حاکم حقیقی ہے۔ وہ تغیر و تبدل پر ہر طرح قادر و توانا ہے۔ کوئی امر اس کو مشکل نہیں۔ میں آپ لوگوں میں ایک بوڑھے اور بزرگ کو چھوڑے جاتا ہوں۔ آپ ان کے ساتھ خیر خواہی کریں اور ہر طرح ان کے شریک حال رہیں۔ آپ کو اس کام کے عوض سعادت نصیب ہوگی۔ خدا تعالیٰ آپ سے خوش ہوگا۔ آپ خدا کے خلیفہ کی نصرت کریں گے خدا آپ کی نصرت کرے گا۔"

یہ نصیحت کر کے حضرت معاویہؓ شام روانہ ہو گئے۔

(۲۰)

شورش کا آغاز

جب تمام علاقوں کے امیر مدینہ میں مشورہ کے لئے آئے ہوئے تھے فتنہ کے سرغنو
نے تمام علاقوں میں یک دم بغاوت کر دینے کا فیصلہ کیا لیکن سوائے کوفہ کے وہ کہیں اپنے
ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اہل کوفہ یہ بہانہ بنا کر کہ وہ مدینہ اپنے عامل سعد بن عاص
تبدیل کرانے کی نیت سے جا رہے ہیں مدینہ روانہ ہو گئے۔ جرعہ کے مقام پر جو مدینہ اور کو
کے درمیان واقع ہے ان کی مڈھ بھیڑ سعید سے ہوئی اور سعید کو مدینہ واپس ہونا پڑا۔ اہل کوفہ
سعید کی جگہ ابو موسیٰ اشعری کو عامل بنانے کا مطالبہ کیا جس کو حضرت عثمانؓ نے منظور کر لیا۔

جب تمام امراء اپنے اپنے علاقوں میں واپس پہنچ گئے۔ تو فتنہ پردازوں کے
بغاوت برپا کرنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ انہوں نے مختلف شہروں میں اپنے ہم خیال لوگوں
اس سلسلہ میں خط و کتابت شروع کی اور فیصلہ کیا گیا کہ تمام علاقوں سے کچھ لوگ ایک وفد
شکل میں مدینہ پہنچیں اور وہاں اپنے آئندہ طریق کار کے متعلق صلاح و مشورہ کریں۔ لوگوں
یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ ملت اسلامیہ کی بہبودی کی خاطر مدینہ جا رہے ہیں۔ مدینہ پہنچ کر
حضرت عثمانؓ سے چند سوال کریں۔ عمال اور امراء کی بے راہ روی اور ظلم و ستم کی ان سے شکایہ
کی جائے پھر ان تمام باتوں کو تمام بلاد اسلامیہ میں پھیلا دیا جائے تا کہ عامتہ المسلمین کو خلافہ
اور امراء کے خلاف بھڑکایا جا سکے اور لوگوں کو یقین ہو جائے کہ حضرت عثمانؓ اور عمال کے خلاف
جو الزام لگائے جاتے ہیں وہ سب درست ہیں۔ چنانچہ تین شہروں کوفہ، بصرہ اور مصر سے تین
اس غرض کے لئے مدینہ کی طرف چلے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو ان کی آمد کا علم ہونے پر حضرت
عثمانؓ نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ ان کے آنے کی غرض و غایت کا پتا لگایا جائے۔ فتنہ کے سرغنو
نے ان کو دیکھ کر خیال کیا کہ یہ بھی انہی میں سے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ ان کے دل میں
تھا بلا کم و کاست ان پر ظاہر کر دیا کہ خلیفہ سے ان امور کے سلسلہ میں بات چیت کرنے مدینہ
رہے ہیں جن کو وہ پہلے ہی مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیلا چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ ا
علاقوں میں واپس جا کر لوگوں کو یہ بتائیں گے کہ ہم نے خلیفہ سے ان امور کے متعلق با
چیت کی۔ خلیفہ نے انکار تو نہیں کیا لیکن ان سے تو بہ بھی نہیں کی۔ اس کے بعد ہم اگلے
حج کے مہینہ میں بہ تعداد کثیر مکہ میں جمع ہوں گے اور ظاہر یہ کریں گے کہ ہم حج کی غرض

آئے ہیں۔ مکہ پہنچ کر ہم حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کرلیں گے ان پر ترک خلافت کے لئے زور دیں گے اور انہوں نے انکار کیا تو ان کو قتل کر دیں گے۔

ان دونوں آدمیوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ساری باتیں دہرادیں۔ آپ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہنے لگے:

"یا اللہ! ان لوگوں کو گمراہی سے بچا لے۔ اگر تو نہ بچائے گا تو یہ لوگ برباد ہو جائیں گے۔"

پھر آپ نے کوفیوں اور اہل بصرہ کو بلا بھیجا اور آنحضرتﷺ کے صحابہؓ کو بھی جمع کر لیا۔ جب سب لوگ اکٹھے ہوگئے تو آپ کھڑے ہوئے اور تمام واقعات سنائے۔ اس کے بعد وہ دو اشخاص جو ان مفسدین کے پاس بغرض تحقیق بھیجے گئے تھے کھڑے ہوئے اور ان کی باتیں حرف بحرف بیان کر دیں۔ اس پر تمام صحابہؓ نے متفقہ طور پر حضرت عثمانؓ کو یہ صلاح دی کہ ان سب کو قتل کر دیجئے کیونکہ رسول کریمﷺ نے فرمایا ہے:

"ایسے وقت میں کہ لوگوں میں ایک امام موجود ہو اگر کوئی شخص اپنی اطاعت یا کسی اور کی اطاعت کے لئے لوگوں کو دعوت دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو تم اسکو قتل کر دو۔"

لیکن حضرت عثمانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"نہیں ہم عفو و درگزر سے کام لیں گے ان کے عذر کو قبول اور ان کو راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کریں گے اور جب تک ان میں سے کوئی کسی حد شرعی کو نہ توڑے یا کفر کا اظہار نہ کرے اس کی مخالفت نہ کریں گے۔"

اس کے بعد آپ نے وہ تمام باتیں بیان کیں جن کی بناء پر وہ آپ سے ناراض تھے اور جو انہوں نے عامۃ الناس میں پھیلا رکھی تھیں۔ ساتھ ہی آپ نے ان کے جواب بھی دئے۔ یہ باتیں ایسی تھیں جنہیں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی مثلاً آپ کا سفر میں نماز پوری پڑھنا، سرکاری چراگاہ سے عوام کو روک دینا، حکم کو مدینہ واپس بلالینا۔ حالانکہ رسول کریمﷺ نے انہیں طائف بھیج دیا تھا۔

یہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں کہ ان پر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ ان کے علاوہ کچھ اہم باتیں بھی حضرت عثمانؓ نے ان سے کہیں۔ انکا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

حضرت عثمانؓ نے مجمع سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے نوجوانوں کو عامل بنایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ

میں نے صرف ایسے لوگوں کو عامل بنایا جو اس کام کے پورے طور پر اہل تھے۔ نیک صفات او
نیک اطوار سے بہرہ ور تھے مجھ سے پہلے بھی میرے پیشرؤں نے میرے مقرر کردہ والیوں
زیادہ نوعمر لوگوں کو والی بنایا تھا اور رسول کریم ﷺ پر اسامہ بن زید کو فوج کا سردار بنانے کی
سے مجھ پر زیادہ اعتراضات کیے گئے تھے کیا ایسا نہیں ہے؟''

صحابہؓ نے جواب دیا:

''بالکل یہی بات ہے؟''

پھر حضرت عثمانؓ نے کہا:

''یہ اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے غنیمت کے مال میں سے ابن ابی سرح کو کچھ ما
دیا۔ حالانکہ میں نے اس کو خمس میں سے ایک ہزار درہم دئے تھے۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ بھی بعض
لوگوں کو اسی طرح دے دیا کرتے تھے لیکن پھر بھی جب میں نے محسوس کیا کہ لشکر نے اس
برا منایا ہے تو یہ مال انہی کو واپس کر دیا۔ حالانکہ یہ انکا حق نہیں تھا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟''

صحابہؓ نے جواب دیا:

''بالکل یہی بات ہے!''

پھر آپ نے فرمایا!

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو عطیات د
ہوں۔ محبت کے متعلق تو یہ بات ہے کہ یہ ایک طبعی امر ہے۔ اس کو کون روک سکتا ہے۔ لیک
میں ظلم کے معاملہ میں کبھی ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ اور جو حقوق ان پر واجب ہوتے ہیں وہ پور
پورے وصول کر لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا ان کو عطیات دینا تو میں جو کچھ ان کو دیتا ہوں اپنے ما
میں سے دیتا ہوں۔ مسلمانوں کے اموال کو نہ میں اپنے اوپر کرچ کرنا جائز سمجھتا ہوں نہ کسی ا
پر، میں تو رسول کریم ﷺ، حضرت ابوبکر و عمرؓ کے زمانہ میں بھی جبکہ مجھ میں مال و دولت
خواہش اور حرص تھی اپنے مال میں سے بڑے بڑے عطیے لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ اور اب
میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ ملحد میرے تعلق ایسی باتیں کہتے ہیں
مال غنیمت میں سے جو کچھ میرے پاس آتا ہے وہ سب سوائے خمس کے میں ان کو واپس کر د
ہوں اور خمس میں سے بھی میں کچھ نہیں لیتا۔ وہ بھی مسلمانوں کا ہی حق ہوتا ہے۔ میں اللہ
مال میں سے ایک پیسہ تک نہیں لیا ہے جو کچھ میں کرتا ہوں وہ اپنے ہی مال میں سے کرتا ہوں
یہ کہتے ہیں کہ میں نے مفتوحہ زمینیں لوگوں کو دے دیں حالانکہ جب یہ زمینیں

وئیں تو ان میں مہاجرین و انصار (جن کی جان بازیوں سے یہ فتح ہوئیں) شریک تھے۔ پس جو
پنی مفتوحہ زمینوں میں ٹھہرا رہا۔ وہ تو ان کا مالک تھا ہی لیکن جو واپس آ گیا وہ بھی اس حصہ سے
ٔروم نہیں ہوا جو خدا تعالی نے اس کو دیا تھا۔ میں نے ان ہی لوگوں کی سہولت کے لئے اور انہی
کے کہنے سے ان کی جائیدادوں کا تبادلہ کرایا۔ ان کو مدینہ کے علاقہ میں جاگیریں دے دیں اور
س کے بدلہ میں مفتوحہ علاقوں میں ان کو جو جاگیریں ملی تھی وہ ان سے واپس لے لیں۔ اس
لرح ان کی جاگیریں درحقیقت انہی کے ہاتھوں میں رہیں۔ صرف علاقوں کا ادل بدل ہو گیا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنا مال اور اپنی زمینیں بنی امیہ میں تقسیم کر دی تھیں اور اپنے بچوں
کو بھی اتنا ہی حصہ دیا تھا جتنا دوسرے لوگوں کو۔ آل حکم نے دس ہزار دینار حاصل کیے اور تمام
نو ابوالعاص نے ایک لاکھ۔ حضرت عثمانؓ کے بیٹوں کو بھی اتنا ہی دیا گیا۔ یہ مال و جائیداد بنی
لعاص، بنی العیص اور بنی حرب میں تقسیم کی گئی تھی۔

حضرت عثمانؓ نے اس گروہ کے ساتھ جو دھوکے سے آپ کو نقصان پہنچانے آیا
تھا۔ نرمی کا سلوک کیا۔ صحابہؓ کا اصرار تھا کہ ان کو قتل کر دیا جائے لیکن آپ نے عفو و درگزر ہی کو
ترجیح دی اور انکو چھوڑ دیا۔ فسادیوں کا مطلب حل ہو گیا اور وہ اپنے طے شدہ پروگرام کی تکمیل
کے لئے اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ نے یہ خیال کیا تھا کہ ان دلیلوں سے ان کے دلوں پر کچھ اثر ہوگا اور
اس عفو و درگزر سے وہ آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی جو ان کے دلوں میں بھڑک رہی تھی۔ اس لئے
آپ نے محض کہنے سننے پر ہی اکتفا کیا اور ان کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ لیکن فسادیوں
نے شوال 35ھ /656ء میں اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مدینہ پر حملہ کرنے
حضرت عثمانؓ کو گھیر لینے۔ آپ کے معزول کرنے اور اگر آپ اپنی معزولی کو تسلیم نہ کیا تو قتل
کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اہل مصر چار ٹولیوں میں بٹ کر مدینہ چلے۔ ہر ٹولی کا ایک
امیر تھا۔ ان کی تعداد چھ سو سے ایک ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ان کے امراء مندرجہ ذیل تھے۔

1- عبد الرحمٰن بن عدیس البلوی
2- کنانہ بن بشیر اللیثی
3- سودان بن حمران السکونی
4- قیترۃ السکونی

ان سب کا امیر غافقی ابن حرب العکی تھا۔

ان لوگوں نے اپنے اصل مقصد (فساد و جنگ) کو عام لوگوں پر ظاہر نہیں کیا بلکہ بات بنا دی کہ وہ حج کو جا رہے ہیں ان کے ساتھ ابن السوداء (عبد اللہ بن سبا) بھی تھا۔

اہل کافہ بھی چار گروہوں میں بٹ کر نکلے۔ ان کے سردار مندرجہ ذیل تھے:

1- زید بن صوحان العبدی
2- اشتر نخعی
3- زیاد بن نضر حارثی
4- عبد اللہ بن اصم العامری

ان کی تعداد مصریوں کی تعداد کے برابر تھی۔ ان سب کا سردار عامر بن اصم تھا۔

اہل بصرہ بھی چار گروہوں میں نکلے۔ ان کے سردار مندرجہ ذیل تھے۔

1- حکیم بن جبلہ العبدی
2- ذریح بن عباد العبدی
3- بشر بن شریح القیسی
4- ابن المحرش الحنفی

ان کی تعداد بھی اہل مصر کے برابر تھی ۔ ان سب کا سردار حرقوص بن زبیر السعد تھا۔

ان تینوں شہروں کے فسادیوں کی خواہشات مختلف تھیں۔ اہل مصر جیسا کہ ابن نے انہیں سکھایا تھا' حضرت علی اور محمد بن ابوبکر (جو حضرت علیؓ کا ربیب تھا اور جس کی والدہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد شادی کر لی تھی) کو چاہتے تھے۔ محمد بن ابی حذ بھی اسی کے حق میں تھا۔ اہل بصرہ چاہتے تھے کہ خلیفہ طلحہؓ بن عبید اللہ ہوں۔ اہل کوفہ زبیرؓ العوام کو خلیفہ بنانے کی خواہش رکھتے تھے۔ غرض ہر گروہ یہی چاہتا تھا کہ معاملہ اسی کے حق فیصل ہو۔ لیکن حضرت عثمانؓ کو معزول کرنے میں سب متفق تھے۔

جب یہ قافلے مدینہ پہنچے تو اہل بصرہ نے ذی خشب' اہل کوفہ نے اعوص اور اہل نے ذی المروہ پر ڈیرے ڈالے۔ اہل مصر وار اہل بصرہ کو دو اشخاص زیاد بن نضر اور عبد اللہ اصم نے مشورہ دیا کہ ابھی جلدی نہ کرو۔ ہم مدینہ جاتے ہیں اور وہاں کے حالات کا پتا چلا ہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اہل مدینہ نے ہمارے خلاف جنگی تیاریاں کر رکھی ہیں حال اس وقت ہے جبکہ تفصیلات کا انہیں علم نہیں ہے۔ لیکن جب وہ تمام حالات سے آگاہ

گے تو معاملہ اور بھی زیادہ بگڑ جائے گا اور ہم کسی صورت میں بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ ہم مدینہ جا کر معلوم کرتے ہیں اگر انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی اور ان کی تیاریوں کے متعلق ہمارے پاس جو رپورٹ پہنچی ہے وہ غلط ثابت ہوئی تو پھر ہمارا مقصد بہت جلد حاصل ہو جائے گا۔

چنانچہ یہ دونوں آدمی مدینہ میں آئے اور ازواج مطہراتؓ حضرت علیؓ، طلحہؓ وزبیرؓ سے ملے اور کہا کہ ہم صرف حضرت عثمانؓ سے اپنے بعض عمال کو تبدیل کرانے آئے ہیں۔ اس کے سوا ہمارا اور کوئی مقصد نہیں۔ آپ ہمیں مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں۔ لیکن ان سب نے ان کو انتہائی حقارت سے دھتکار دیا۔ دونوں آدمی مدینہ کے حالات معلوم کر کے اور اپنے مقصد میں ناکام ہو کر واپس چلے آئے اور اپنے ساتھیوں سے سارے حالات بیان کر دیئے۔ اس کے بعد مصریوں کا ایک وفد حضرت علیؓ کے پاس اہل بصرہ کا ایک وفد طلحہؓ کے پاس اور اہل کوفہ کا ایک وفد زبیرؓ کے پاس آیا۔ دراصل ہر فریق چاہتا تھا کہ بیعت اس کے ہاتھ پر کی جائے جسے وہ پسند کرتا ہے اور اگر کوئی آڑے آئے تو اس کا سر کچل دیا جائے۔ چنانچہ اہل مصر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے خلافت قبول کر لینے کی درخواست کی۔ لیکن حضرت علیؓ نے انہیں جھڑک کر نکال دیا۔ یہی سلوک حضرت زبیرؓ نے اہل کوفہ اور حضرت طلحہؓ نے اہل بصرہ کے ساتھ کیا اور ان سے انتہائی سختی و حقارت کا برتاؤ کیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے اپنے ایک ایک بیٹے کو اور طلحہؓ نے اپنے دونوں بیٹوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔

حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے اس حقارت آمیز سلوک کے بعد یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے۔ ظاہر تو انہوں نے یہی کیا کہ اب وہ مدینہ سے واپس جا رہے ہیں لیکن پہنچے وہ سیدھے اپنے اپنے لشکروں میں جو مدینہ سے تین تین میل کے فاصلے پر پڑے ہوئے تھے۔ دراصل وہ چاہتے یہ تھے کہ مدینہ والے متفرق ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں اور بے خبری میں ان پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بے خبری میں اچانک مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ پر حملہ کر کے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ مدینہ والے اس ناگہانی حملے کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہیں۔

اہل مصر حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا۔

''تم واپس کیوں آ گئے؟''

انہوں نے کہا:

''ہم نے ایک قاصد کو پکڑا ہے جس کے پاس سے حضرت عثمانؓ کا ایک خط والی مصر کے نام برآمد ہوا ہے۔ اس خط میں لکھا تھا کہ جب ہم واپس پہنچیں تو ہمیں قتل کر دیا جائے۔''

یہی بات اہل بصرہ نے طلحہؓ اور اہل کوفہ نے زبیرؓ سے کہی۔

اس پر حضرت علیؓ نے اہل کوفہ اور اہل بصرہ سے کہا۔

''جب تم علیحدہ علیحدہ راستوں پر جا رہے تھے اور تمہاری منزل مقصود علیحدہ علیحدہ تھی تم نے یہ کیسے جان لیا کہ اہل مصر کے بارے میں اس قسم کا خط لکھا گیا ہے خدا کی قسم یہ بات مدینہ میں اور تمہاری باہمی سازش سے بنائی گئی ہے۔''

انہوں نے جواب دیا:

''خواہ کچھ بھی کہو ہم نہیں چاہتے کہ عثمانؓ خلیفہ رہیں۔ ہم تو ان کو معزول کر کے ان کی جگہ دوسرا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔''

حضرت عثمانؓ اس دوران میں اپنے گھر سے نکلتے تھے۔ مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے خود یہ باغی بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور کسی کو مسجد میں جانے سے روکتے بھی نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے شہر کے اہم ناکوں' بازاروں اور گلیوں میں پہرہ لگا دیا تھا اور کسی جگہ لوگوں اجتماع نہ ہونے دیتے تھے۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے تمام علاقوں میں اپنی مدد کے لئے خطوط بھیجے جن میں آپ نے لکھا:

''خدا تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا وہ آپ ﷺ نے لوگوں تک پہنچایا۔ پھر آپ ﷺ کی وفات ہو گئی اور آپ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ عمرؓ نے ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی جس نے بغیر میرے طلب کیے خلافت کا ذمہ دار مجھے بنا دیا۔ میں نے ایسے عامل مقرر کیے جن کو لوگ پسند کرتے تھے۔ لیکن ان مفسدین نے بغیر کسی وجہ کے محض اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اپنا خبث ظاہر کرنا اور مجھ پر اور میرے عمال پر جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگانے شروع کر دیئے۔ تاہم میں نے صبر سے کام لیا اور ایک مدت تک ان کی ان کارروائیوں کو دیکھتا رہا لیکن انہیں کوئی سزا نہیں دی۔ تب انہوں نے اللہ عز و جل کے برخلاف بھی جرات کی اور

بستی پر جو رسول کریم ﷺ کی ہجرت گاہ ہے۔ آپ ﷺ کا حرم اور آپ ﷺ کا مدفن ہے حملہ کر دیا۔ جو شخص ہمارے ساتھ مل کر ان سے جہاد کرنا چاہے اس کو اس کار خیر میں عجلت سے کام لینا چاہیے۔"

جب یہ خط بلاد اسلامیہ میں پہنچا تو ایک ہیجان برپا ہو گیا اور باوجود سخت مشکلات اور تکالیف کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر ان باغیوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت معاویہؓ نے حبیب بن سلمہ فہری کو ایک لشکر دے کر بھیجا۔ عبد اللہ بن ابی سرح نے مصر سے معاویہ بن خدیج السکونی کو روانہ کیا۔ کوفہ سے قعقاع بن عمرو نکلا۔ اس کے علاوہ ہر شہر میں با اثر لوگوں نے اہل شہر کو جہاد اور رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کی مدد کے لئے ابھارنا شروع کیا۔

ادھر یہ باغی حضرت علیؓ کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے کہ "ہمارے لئے عثمانؓ کو قتل کرنا جائز ہو گیا ہے آپ ہماری مدد کیجئے۔"

حضرت علیؓ نے کہا:

"خدا کی قسم میں کسی صورت میں بھی تمہاری مدد نہیں کروں گا۔"

وہ کہنے لگے:

"تو پھر آپ نے ہمیں ایسا لکھا کیوں تھا؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ

'میں نے کبھی تم کو کوئی خط نہیں لکھا۔"

جب فتنہ کے سرغنوں نے یہ جواب سنا تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ حیرت کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں تھے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ مدینہ کے جو لوگ فتنہ پردازوں کے مددگار تھے وہ اہل مصر کو لکھا کرتے تھے کہ حضرت علیؓ اس کام میں ان کے پورے شریک ہیں۔ مفسد اسی بناء پر لوگوں کو حضرت علیؓ کا نام لے کر ابھارتے اور حضرت عثمانؓ کے خلاف اشتعال دلاتے تھے اور کچھ بعید نہیں کہ مدینہ سے اہل مصر کے نام حضرت علیؓ کی طرف سے خط لکھے بھی گئے ہوں۔ اگرچہ حضرت علیؓ کو ان کی بالکل خبر نہ تھی۔

حضرت عمرو بن العاص اس وقت مدینہ میں تھے جب باغیوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو وہ فوراً مدینہ سے فلسطین چلے گئے اور وہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سنی۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جب پہلے پہل فتنہ کے سرغنے مدینہ آئے اور وہاں یہ بات مشہور کی کہ وہ خلیفہ کو معزول کرنا اور اگر ایسا نہ ہوا تو اسے قتل کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ وہ ان کی مدد کریں اور ان لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں۔ کیونکہ وہ ان کا مدینہ میں آنا اس لئے پسند نہیں کرتے کہ اس طرح ان کو مرکز خلافت پر حملہ کرنے کی جرات پیدا ہو جائے گی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اب ان کی رائے پر ہی چلیں گے اور جو کچھ وہ مشورہ دیں گے اسی کو قبول کریں گے۔ چنانچہ حضرت علیؓ مہاجرین اور انصارؓ کی ایک جماعت لے کر گئے۔ جب فسادی دوبارہ مدینہ لوٹے تو حضرت عثمانؓ مسجد میں گئے اور وہاں لوگوں کو فتنہ و فساد سے باز رہنے کے متعلق خطبہ دیا۔ گھر لوٹے تو مروان، سعید اور بنی امیہ کے کچھ اشخاص کو وہاں موجود پایا۔ مروان نے آپ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان فسادیوں سے کچھ کہوں۔ آپ نے خطبہ میں بہت ہی نرمی سے کام لیا ہے حالانکہ سختی کا برتاؤ کرنا چاہیے تھا۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ نے تو منع کیا لیکن حضرت عثمانؓ نے اجازت دے دی۔

اس پر مروان فسادیوں کے پاس گیا اور ان سے بہت سختی کے ساتھ کلام کیا۔ وہ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور سارا حال بتایا۔ حضرت علیؓ کو بہت غصہ آیا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے مروان کو بہت ہی ڈھیل دے رکھی ہے اس نے آپ کی اجازت سے باغیوں کے ساتھ سخت کلامی کی ہے اس لئے اب میں آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔ آپ جانیں اور باغی جانیں۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا اور قرابت کا واسطہ دے کر حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ وہ ان کا ساتھ نہ چھوڑیں اور ان کی مدد کرتے رہیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے جواب دے دیا اور کہا کہ:

''آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کا پاس نہ کرتے ہوئے مروان اور بنی امیہ کے دوسرے لوگوں کے مشوروں پر کان دھرا۔''

حضرت عثمانؓ نے اس الزام کو ماننے سے انکار کر دیا اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میرے ساتھ قطع رحمی کی ہے۔''(1)

(1) محض مفروضہ اور بے بنیاد روایت ہے۔ (مترجم)

(۲۱)

مدینہ کا محاصرہ

مفسدین نے مدینہ میں داخل ہونے اور اس کا محاصرہ کر لینے کا پکا ارادہ کر لیا تھا چنانچہ مصری مدینہ میں داخل ہو گئے تھے اور مدینہ والوں کو بے بس کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ دوسرے شہروں کے لوگ بھی مدینہ میں آ گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ اپنے گھر سے نکلتے تھے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے تھے لیکن وہ کچھ تعرض نہ کرتے تھے۔ ان لوگوں کے مدینہ پر قبضہ کر لینے کے بعد جو پہلا جمعہ آیا تو حضرت عثمانؓ نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں آئے اور خطبہ دیا جس میں آپ نے فسادیوں کے متعلق بعض باتیں کہیں۔ اہل مدینہ میں سے آپ کی باتوں کی تائید محمد بن مسلمہ اور زید بن ثابت نے کی۔ اس پر فسادی جو مسجد میں موجود تھے جوش میں آ گئے اور انہوں نے اہل مدینہ اور حضرت عثمانؓ پر پتھر برسانے شروع کر دئے۔ جس سے حضرت عثمانؓ بیہوش ہو گئے اور اسی بیہوشی کی حالت میں آپ کو گھر پہنچایا گیا۔ مصریوں کو اہل مدینہ میں سے سوائے تین افراد کے اور کسی سے مدد کی کوئی امید نہ تھی اور وہ یہ تھے۔

1- محمد بن ابی بکر

2- محمد بن ابی حذیفہ

3- عمار بن یاسر

بعض صحابہؓ تو ان بدبختوں سے جنگ کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے جن میں ذیل کے صحابہؓ بھی شامل تھے۔

1- حضرت سعد بن مالک

2- حضرت ابو ہریرہؓ

3- حضرت زیدؓ بن ثابت

4- حضرت امام حسنؓ

لیکن حضرت عثمانؓ نے کہلا بھیجا کہ آپ لوگ ان فسادیوں سے بالکل تعرض نہ کریں اور یہ واپس آ گئے۔

حضرت عثمانؓ ان باغیوں کے مدینہ میں داخل ہونے کے بیس روز بعد تک لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے لیکن پھر انہوں نے آپ کا مسجد میں آنا جانا بند کر دیا اور آپ کی جگہ غافقی نماز پڑھانے لگا جس کو مصریوں، کوفیوں اور بصرہ کے لوگوں نے متفقہ طور پر اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ ساتھ ہی اہل مدینہ پر

سختیاں بھی شروع کر دیں اور ان کا اپنے گھروں سے باہر نکلنا تقریباً بالکل بند کر دیا۔ کوئی شخص بغیر ہتھیار لگائے اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ یہ محاصرہ چالیس روز تک رہا۔ جو شخص ان سے تعرض کرتا اسے قتل کر دیتے۔ لیکن اس سے پہلے تیس روز تک انہوں نے قتل و غارت سے اجتناب کیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے آخری دنوں میں بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ آپ کو اپنے اوپر بھی کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔ مروان اور بنی امیہ آپ کو جس طرف چاہتے پھیر دیتے تھے۔ آپ ان لوگوں سے وعدے کرتے تھے لیکن جب اپنے گھر آتے تو مروان آپ کی رائے کو بدل ڈالتا تھا اور آپ کو اپنے وعدے سے منحرف کرا دیتا تھا۔ (1) کیونکہ اس کو خیال تھا کہ فوجیں مختلف شہروں سے حضرت عثمانؓ کی مدد کو چل چکی ہیں اور مدینہ پہنچا ہی چاہتی ہیں۔ اب فکر کس بات کا ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ معاملات کو خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھایا جاتا اور فسادیوں کو بھڑکنے کا موقعہ نہ دیا جاتا تا کہ فوجیں اچانک آ کر اہل فتنہ و فساد کا سر کچل سکتیں۔ بنی امیہ کے لوگوں پر حضرت عثمانؓ انتہائی بھروسہ کرتے تھے اس سے عام لوگوں میں بہت ناراضی پھیلتی تھی اور ان کو ان لوگوں کا اثر و اقتدار بہت ناگوار گزرتا تھا ادھر فسادی حضرت عثمانؓ کے کسی عذر کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ حکومت چھوڑ دیں اور پھر مسلمان باہمی مشورہ سے کسی اور کو خلیفہ بنا لیں دوسرا یہ کہ حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ داروں میں سے ان اشخاص کو جو ان کے خاص راز دار تھے اور امور سلطنت میں انہی کا عمل دخل تھا ان کے حوالے کر دیں تا کہ وہ ان سے اس خیانت کا بدلہ لے سکیں انہوں نے مسلمانوں سے اور خود خلیفہ سے کی ہے۔ وہ خیانت ان کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ کے نام سے عبداللہ بن ابی سرح امیر مصر کو ایک خط لکھا تھا جس میں بعض مصری روساء کو قتل کرنے، کوڑے لگانے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم دیا تھا۔ (2)

بنو امیہ خطرے کو بالکل اپنے سر پر کھڑا دیکھتے تھے۔ ادھر موت حضرت عثمانؓ کا انتظار کر رہی تھی۔ مفسدین کسی صورت میں بھی اپنے ارادوں کو ترک کرنے کے روادار نہیں تھے۔ اہل مدینہ خاموشی اور سکون سے تمام حالات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے کو بالکل تیار نہ تھے۔ شر

(1) ایک خلیفہ کے متعلق جس کو خود رسول اکرم ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہو اور جس کے متعلق ارشاد فرمایا ہو کہ خدا تمہیں ایک قمیص (خلافت) پہنائے گا تم اس کو مت اتارنا۔ اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کے کہنے میں آن کر لوگوں سے وعدہ خلافیاں کرتا تھا کس قدر بعید از قیاس اور دور از عقل بات ہے۔
(2) یہ واقعہ سرے سے غلط ہے جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر آئے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہو کہ گذشتہ زمانہ میں خلافت نے ان کو شکنجہ میں کسا ہوا تھا۔ ڈر اور خوف ہر وقت مسلمانوں کے سروں پر مسلط رہتا تھا جس کی وجہ سے خلافت کے نام سے بھی ان کو وحشت ہونے لگی تھی۔ لیکن وہ یہ بھول گئے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں خلافت ضعف اور کمزوری کا دوسرا نام ہو گیا تھا۔ حد یہ تھی کہ مفسدین کو یہ جرات ہو گئی کہ وہ علی الاعلان سینکڑوں لوگوں کے سامنے مسجد میں خطبہ پڑھتے ہوئے خلیفہ پر پتھر برسائیں۔(1)

بنی امیہ کے لوگ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؓ کا اس فتنہ میں بڑا ہاتھ ہے۔ اس لئے ایک دوسرے کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات ابھرنے لگے۔ جو باتیں دلوں میں چھپی ہوئی تھیں وہ زبانوں پر آنے لگیں۔ اپنے مفادات کے لئے ان لوگوں نے مسلمانوں کے مجموعی مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا اور آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ حضرت علیؓ فتنہ کے ان ایام میں مدینہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اگرچہ ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ محض اپنی ذاتی سعی و کوشش سے اس فتنہ و فساد کا قلع قمع ہرگز نہ کر سکتے تھے لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو بھول جاتے۔ کیونکہ جس فتنہ سے وہ دوچار تھے اس کی اہمیت اس سے بہت زیادہ تھی کہ ہر فریق دوسرے فریق کے عیوب گنوائے۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر مسلمانوں کے سربرآوردہ اشخاص اس وقت متفق ہوتے تو وہ ضرور اس سیلاب کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکتے تھے جو انتہائی ہولناکی کے ساتھ ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا لیکن دلوں میں باہمی محبت و الفت کی جگہ نفرت و حقارت نے لے لی تھی۔ نادان اور حقیقت ناشناس لوگ آگے آ گئے تھے اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ دنیا کے سامنے ہے۔

سب سے بڑی غلطی جو حضرت عثمانؓ نے کی وہ یہ تھی کہ جب فساد کے بانی اور فتنہ کے سرغنے آپ کے پاس لائے گئے اور آپ نے ان پر ثابت کر دیا کہ وہ محض فساد اور بغاوت کے لئے آئے ہیں تو آپ نے ان کو بغیر کوئی سزا دیئے چھوڑ دیا حالانکہ آپ کو چاہیے تھا کہ ان کو عبرت ناک سزائیں دیتے جس سے فتنہ کا قلع قمع ہو جاتا اور پھر کسی کو سر اٹھانے کی جرات نہ ہوتی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا موقع بھی دیا تھا۔ خصوصاً اس وقت جب تمام صوبوں کے والیوں نے متفقہ طور پر آپ کو مشورہ دیا تھا کہ سانپ کے پھن اٹھانے سے پہلے ہی اس کو مار ڈالنا چاہیے۔ اس وقت آپ کو کوئی مضبوط قدم اٹھانا چاہیے تھا اور اس معاملہ میں کمزوری نہیں دکھانی چاہیے تھی لیکن آپ نے ان کی باتوں کی پروا نہ کی اور ان

(1) صحابہؓ پر حضرت عثمانؓ کی مداہنت کرنے کا الزام قطعی بے بنیاد ہے اور ہم شروع میں اس پر تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔ (مترجم)

کے مشورہ کو نہ مانا بلکہ اس ڈر سے نرمی کا پہلو اختیار کیا کہ کہیں آپ ہی فتنہ کا دروازہ کھولنے کا باعث نہ بنیں۔ نہ صرف یہ بلکہ آئندہ بھی جب کبھی وہ آپ کے پاس آئے یا انہوں نے آپ پر اعتراضات کیے تو آپ نے محض اپنی پوزیشن صاف کرنے اور اپنی بے گناہی واضح کرنے پر ہی اکتفا کیا۔ لیکن کوئی عملی قدم ان کے خلاف نہ اٹھایا۔ حالانکہ ان مفسدین کی جماعت پر معقول باتوں اور براہین قاطعہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وعظ و نصیحت سے ان کے دل بالکل نہ پسیجتے تھے۔ کیونکہ ان کا مقصد صرف فتنہ و فساد پیدا کرنا اور بغاوت پھیلانا تھا۔ ایسی جماعتیں صرف قوت سے ڈرتی ہیں۔ سختی اور قہر کے سامنے سر جھکاتی ہیں اور قوت و سختی ہی سے مغلوب ہو سکتی ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو ڈھیل دے کر ان میں جرات و دلیری پیدا کر دی۔ یہ فسادی وعظ و نصیحت پر کان دھرنے والے اور دلائل کی رو سے اپنے کاموں سے باز آنے والے نہیں تھے بلکہ محض فتنہ و فساد پیدا کرنے کے خواہشمند تھے۔ آپ کی نرمی اور کمزوری نے ان کو فتنہ و فساد پر جرات دلائی۔

اس فتنہ کے متعلق مورخین کی راہیں الگ الگ ہیں۔ ہر مورخ نے اس کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے اپنا علیحدہ نظریہ قائم کیا ہے لیکن آج کا مورخ جس کے سامنے پچھلے مورخین کی تمام راہیں موجود ہیں۔ اس فتنہ کے اسباب پر بحث کرنے سے پہلے محسوس کرتا ہے کہ مورخین سلف نے اپنی بحث کو حد اعتدال پر نہیں رکھا بلکہ یا تو وہ کلیتہً ایک فریق کے حق میں ہو گئے ہیں یا دوسرے فریق کے' اس لئے ضروری ہے کہ اس معاملہ پر تفصیلی بحث کی جائے۔ اتنی مکمل بحث جس کے پیش نظر قارئین کرام اس فتنہ کے متعلق ایسی محکم رائے قائم کر سکیں جو واقعات کے بالکل مطابق ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مفسدین جو مدینہ میں خلیفہ کا محاصرہ کیے بیٹھے تھے ان کا شروع میں صرف یہ مطالبہ تھا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے معزول ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو وہ مطمئن ہو کر اپنے شہروں کو واپس چلے جاتے۔ کیونکہ ان کی بات پوری ہو جاتی۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں حضرت عثمانؓ کے اموی راز داروں خصوصاً مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ کو ایسا کرنے سے روکا (1) اور اس امید پر اس معاملہ کو ڈھیل دی کہ کچھ عرصہ کے بعد فوجیں حضرت عثمانؓ کی مدد کو پہنچ جائیں گی اور سختی کے ساتھ مفسدین کو کچل کر فتنہ فرو کر دیں گی۔ اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اگر شامی فوجیں وقت پر مدینہ پہنچ جاتیں تو مفسدین کا پتا بھی نہ ملتا۔

لیکن یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا اور حضرت عثمانؓ کو تو حضرت رسول کریم ﷺ نے خاص طور پر فرمایا تھا کہ "ایک قمیض خدا تعالیٰ تمہیں پہنائے گا لوگ وہ قمیض اتارنا چاہیں گے مگر تم مت اتارنا" اس میں مروان بن الحکم اور آپ کے اموی راز داروں کے روکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مترجم)

ہم نے ذکر کیا ہے کہ مفسدین نے جو مختلف شہروں سے اکٹھے ہو کر آئے تھے۔ اگر چہ اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ مدینہ والوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر پھر مدینہ واپس آ گئے تھے۔ مصریوں نے آتے ہی یہ دعویٰ کیا تھا کہ عبداللہ بن ابی سرح والی مصر نے ان کے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا ہے جو حضرت عثمانؓ کے پاس ابن ابی سرح کی شکایت لے کر آیا تھا اور وہ حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہؓ کے پاس اس کی شکایت لے کر آئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت عثمانؓ سے پورا پورا انصاف کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔

"کسی ایسے آدمی کا نام تجویز کرو جس کو ابن ابی سرح کی جگہ تمہارا والی مقرر کیا جائے۔"

انہوں نے محمد بن ابی بکرؓ کا نام تجویز کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے مطالبہ پر اس کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ جب حضرت علیؓ محمد بن مسلمہ وغیرہ مہاجرین اور انصار کے سرکردہ اشخاص نے ان لوگوں سے جا کر کہا کہ خلیفہ نے ان کے کہنے پر چلنے کا وعدہ کر لیا ہے اس لئے تم اپنے اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ تو انہوں نے یہ بات قبول کر لی اور چلے گئے۔ لیکن فوراً ہی مدینہ واپس آ گئے اور بہانہ یہ بنایا کہ مصریوں نے ایک قاصد پکڑا ہے جو عبداللہ بن ابی سرح کے پاس یہ پیغام لے کر جا رہا تھا کہ ان لوگوں میں سے بعض کو قتل اور بعض کو جلا وطن کر دو وغیرہ وغیرہ۔ قاصد حضرت عثمانؓ کا ایک غلام تھا جس کو آپ نے اپنے اونٹوں کا نگہبان بنایا ہوا تھا۔ خط کی طرز تحریر بھی حضرت عثمانؓ سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ جو مہر اس پر لگی ہوئی ہے وہ بھی حضرت عثمانؓ کی ہے۔ اس وجہ سے اب ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیں۔ اہل کوفہ و بصرہ اپنے مصری بھائیوں کی مدد اور پشت پناہی کے لئے آئے ہیں۔

اسی جگہ ایک دوسری روایت محمد بن مسلمہ کی درج کی جاتی ہے جس کو طبری نے نقل کیا ہے:

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں "میں چند لوگوں کے ہمراہ مصریوں کے پاس پہنچا ان کے چار سردار تھے۔"

1- عبداللہ بن عدیس البلوی

2- سودان بن حمران المرادی

3- عمرو بن الحمق الخزاعی

4- ابن النباع

وہ اپنے اپنے خیموں میں تھے میں نے ان کو سمجھایا بجھایا' فتنہ کا خوف دلایا اور ان کو بتلایا کہ اگر خدانخواستہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے تو امت میں ایک انتشار برپا ہو جائے گا۔ جو پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھلے گا۔ تم اپنی ان حرکتوں سے باز آ جاؤ اور فتنہ پیدا کرنے والے نہ بنو۔ اس کے بدلے میں

تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ اس جھگڑے میں تم جس جس شخص کو ناپسند کرتے ہو میں اس کو برطرف کرا دوں گا۔"

انہوں نے کہا:

"اگر ایسا نہ ہو سکا تو؟"

میں نے جواب دیا۔

"پھر تم جانا اور تمہارا کام"

وہ اس پر راضی ہو گئے اور میں لوٹ آیا۔

واپس مدینہ آ کر میں حضرت عثمانؓ سے ملا اور تنہائی میں ان سے کچھ باتیں کرنی چاہیں' وہ مجھے تنہائی میں لے گئے۔

میں نے ان سے کہا:

"آپ اپنے بارہ میں کچھ خوف کیجئے۔ یہ قوم آپ کے خون کی پیاسی ہے۔ موقعہ پڑنے پر آپ کے ساتھی نہ صرف یہ کہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے بلکہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کریں گے۔"

حضرت عثمانؓ نے میری بات سے اتفاق کیا اور میرا شکریہ ادا کیا۔ میں ان کے پاس سے چلا آیا۔

کچھ دیر کے بعد حضرت عثمانؓ مسجد میں گئے اور وہاں خطبہ پڑھا جس میں بیان کیا کہ:

"مصری ایک کام کیلئے آئے تھے لیکن یہاں آ کر ان کو اس کے بالکل برعکس باتوں کا سامنا کرنا پڑا تو وہ لوٹ گئے۔" میں نے چاہا کہ حضرت عثمانؓ سے احتجاج کروں مگر خاموش ہو گیا۔ اسی دوران میں یہ خبر پہنچی کہ مصری واپس آ گئے ہیں اور وہ سویداء تک پہنچ گئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے مجھ کو بلا بھیجا اور فرمایا۔

"ابوعبدالرحمٰن: یہ لوگ پھر آ گئے ہیں تمہاری ان کے بارہ میں کیا رائے ہے؟"

میں نے جواب دیا:

"مجھے کچھ پتا نہیں۔ ہاں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ کوئی نیک ارادہ لے کر نہیں آئے۔"

آپ نے فرمایا: پھر جاؤ اور ان کو لوٹا دو۔"

میں نے جواب دیا:

"میں تو یہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

آپ نے فرمایا: ''کیوں؟''

میں نے جواب دیا۔

''اس لئے کہ میں نے ان لوگوں کو آپ کی طرف سے چند باتیں چھوڑ دینے کی ضمانت دی تھی لیکن وہ باتیں آپ نے نہیں چھوڑیں۔''

آپ نے اس پر صرف یہ فقرہ کہا:

''واللّٰه المستعان (اللہ ہی مدد کرنے والا ہے)''

اس کے بعد ابن عدیس میرے پاس آیا اس کے ساتھ سودان بن حمران اور اس کے دو ساتھی تھے۔ وہ کہنے لگے:

''ابو عبدالرحمٰن: آپ ہمارے پاس آئے تھے اور ہم سے کچھ وعدے کر کے ہم کو لوٹا دیا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ حضرت عثمانؓ ان باتوں کو چھوڑ دیں گے جو ہم ناپسند کرتے ہیں!''

میں نے کہا: ''بے شک!''

اس پر انہوں نے ایک چھوٹا سا خط نکالا اور کہنے لگے۔ ''ہمیں راستہ میں صدقہ کا ایک اونٹ ملا جس پر حضرت عثمانؓ کا غلام سوار تھا ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہ خط پایا' اس خط میں لکھا ہوا تھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جب تمہارے پاس عبدالرحمٰن بن عدیس آئے تو اس کو سو کوڑے مارو۔ اس کا سر اور داڑھی منڈوا دو۔ اور جب تک میرا دوسرا حکم نہ پہنچے اس کو قید میں رکھو۔ یہی سلوک عمر بن الحمق 'سودان بن حمران اور مروہ بن النباع کے ساتھ کرنا۔''

میں نے ان سے کہا:

''کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یہ خط لکھا ہے؟''

انہوں نے کہا:

''اگر یہ خط حضرت عثمانؓ نے اپنی مرضی سے نہ بھی لکھا ہو تو مروان نے ان پر زور ڈال کر لکھوایا ہے۔''

پھر وہ کہنے لگے:

''تم ہمارے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پاس چلے چلو ہم نے حضرت علیؓ سے بھی بات کی ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ نماز ظہر کے بعد وہ ان سے گفتگو کریں گے۔''

انہوں نے یہ بھی کہا کہ:

''ہم نے کئی اور صحابہؓ سے بھی اس معاملہ کے متعلق بات کی تھی لیکن انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کچھ کہنے کے متعلق معذوری ظاہر کی۔''

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں:

''چنانچہ میں اور حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور آپ سے عرض کیا۔ 'مصری دروازہ پر کھڑے ہیں آپ ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیں۔'' اس وقت مروان بھی آپ کے پاس بیٹھا تھا وہ کہنے لگا۔

''آپ مجھے اجازت دیجئے میں ان سے بات کروں گا۔''

اس پر حضرت عثمانؓ نے اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تمہیں اس معاملہ میں بولنے کا کوئی اختیار نہیں۔ تب مروان وہاں سے چلا گیا۔ حضرت علیؓ نے آپکو خط والا سارا معاملہ بتایا۔ حضرت عثمانؓ نے قسم کھائی کہ انہوں نے یہ خط نہیں لکھا نہ انہیں اس خط کے لکھے جانے کا علم ہے۔ محمد بن مسلمہ نے بھی اس کی تصدیق کی۔

اس پر حضرت علیؓ نے کہا:

''تو پھر انکو اپنے پاس بلا لیجئے تا کہ وہ آپ کا عذر سن لیں۔''

حضرت عثمانؓ نے کہا میری مروان سے رشتہ داری اور قرابت داری ہے۔ تم خود ہی جا کر ان سے بات کرلو کیونکہ وہ تمہاری بات مانتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مجبوراً حضرت عثمانؓ کو انہیں بلانا پڑا۔ وہ آئے اور سلام کیا۔ ابن عدیس نے بات کرنی شروع کی۔ پہلے اس نے وہ سب کچھ بتلایا جو ابن سعد نے مصر میں کہا تھا۔ پھر کہا کہ ہم مصر سے یہ ارادہ لے کر چلے تھے کہ یا تو آپ کو قتل کر دیا جائے یا آپ خلافت چھوڑ دیں۔ لیکن محمد بن مسلمہ نے ہمیں اس شرط پر لوٹا دیا تھا کہ جو کچھ ہم نے مطالبہ کیا تھا وہ آپ پورا کر دیں گے۔ (محمد بن مسلمہ نے اس کی تصدیق کی)

پھر کہنے لگے:

''ہم واپس اپنے اپنے شہروں کو جا رہے تھے۔ جب ہم بویب پہنچے تو وہاں آپ کا ایک غلام ملا۔ ہم نے اس کے پاس سے آپ کا ایک خط جس پر آپ کی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ اور جو عبداللہ بن سعد کے نام لکھا گیا تھا برآمد کیا۔ اس خط میں آپ نے عبداللہ کو ہمیں کوڑے لگانے، سزائیں دینے اور قید کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیجئے! یہ ہے وہ خط''

حضرت عثمانؓ کہنے لگے:

''خدا کی قسم! نہ میں نے یہ لکھا' نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا نہ اس قسم کا خط لکھنے کا میری طرف سے کسی کو اشارہ ہوا۔ نہ مجھے اس کے لکھے جانے کا علم ہے۔''

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے اور حضرت علیؓ نے کہا:

''یہ بالکل سچ ہے۔''

اس پر مصری کہنے لگے:

''تو پھر یہ خط کس نے لکھا؟''

حضرت عثمانؓ نے کہا: ''مجھے معلوم نہیں۔''

وہ کہنے لگے۔

''یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مروان آپ کے نام سے ایک خط لکھے' آپ ہی کے غلام کو وہ خط دے کر بھیجے۔ مسلمانوں کے صدقات کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ اس کو بطور سواری دے۔ آپ ہی کی مہر اس پر لگائے۔ آپ کے عمال کو اتنی بڑی بات کا حکم دے اور آپ کو اس بات کا علم تک نہ ہو؟''

آپ نے فرمایا: ''بے شک ایسا ہو سکتا ہے!''

وہ کہنے لگے:

''ہم نے آپ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ آپ خلافت چھوڑ دیجئے۔''

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

''میں وہ قمیض ہرگز نہیں اتار سکتا جو خدا نے مجھے پہنائی ہے۔''

اس پر طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں' شور و شغب بہت زیادہ ہو گیا۔ میں یہ خیال کرنے لگا کہ کہیں یہ سچ مچ حضرت عثمانؓ پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ ہی میں بھی کھڑا ہو گیا۔ آپ نے مصریوں سے کہا:

''اب یہاں سے نکلو۔''

چنانچہ وہ وہاں سے نکل گئے۔ میں اپنے گھر آ گیا۔ حضرت علیؓ اپنے گھر چلے گئے۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اس وقت تک نہ ہٹے جب تک آپ کو شہید نہ کر دیا۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو مورخ یہ سوال کرنے کا حق رکھتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کا یہ غلام مدینہ میں موجود تھا اور صدقہ کا وہ اونٹ بھی جس پر غلام سوار تھا اور جس کو مصریوں نے پکڑا تھا تو پھر حضرت عثمانؓ نے اس غلام سے اس شخص کے بارہ میں کیوں نہیں پوچھا جس نے اس کو وہ خط دیا تھا؟

آپ نے اس غلام سے یہ کیوں نہ دریافت کیا کہ اس کا مصر جانے کا مقصد کیا تھا؟

آپ نے اس سے یہ سوال کیوں نہ کیا کہ صدقہ کا اونٹ اس کو کس نے دیا تھا؟

آپ نے اونٹوں کے رکھوالے سے جواب طلب کیوں نہ کیا کہ میری اجازت کے بغیر اونٹ غلام کے حوالے کر دینے کا تمہیں کیا اختیار تھا؟

اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ کام کس کا ہوگا اور غلام کو مصر کس نے بھیجا ہوگا اور اس کے بعد مصری بھی بدلہ لینے میں حق پر تھے۔

لیکن ایک اور چیز بھی ہے اور وہ یہ کہ یہ واقعہ جس کو اکثر مورخین نے نقل کیا ہے اگر صحیح ہو (اور ہمیں اس کے صحیح ماننے میں کوئی شک بھی نہیں کیونکہ متفقہ طور پر سب مورخین اسے نقل کرتے چلے آئے ہیں) اور مصریوں نے قاصد کو اسی حالت میں پایا ہو جس کا انہوں نے ذکر کیا تو اس میں کوئی شبہ نہیں سب کام حضرت عثمانؓ کے پس غیبت اور آپ کے علم کے بغیر کیا گیا۔ خصوصاً جب کہ ایک دوسری روایت بھی ہے کہ جب انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ:

''کیا ہم محمد بن مسلمہ کے اس وعدہ پر مدینہ سے نہیں چلے گئے تھے کہ آپ نے جو زیادتیاں کی ہیں ان سب سے دست بردار ہو جائیں گے اور جو چیزیں ہمیں ناپسند تھیں وہ چھوڑ دیں گے اور آپ نے خود بھی اس امر کا اقرار کر لیا تھا۔'' تو حضرت عثمانؓ نے کہا:

''میں اب بھی اسی بات پر قائم ہوں۔''

وہ کہنے لگے۔

''تو پھر آپ نے وہ خط کیوں اپنے عامل کو بھیجا جس کو ہم نے آپ کے قاصد کے قبضہ سے برآمد کیا؟''

حضرت عثمان نے فرمایا:

''جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کا نہ مجھے علم ہے اور نہ میں نے ایسا کیا۔''

انہوں نے کہا:

آپ کا قاصد آپ کے اونٹ پر تھا۔ طرز تحریر آپ کے کاتب کی تھی اور اس پر آپ کی مہر لگی ہوئی تھی۔''

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

''اونٹ کو چرایا جا سکتا ہے۔ طرز تحریر نقل کی جا سکتی ہے۔ اور مہر بھی دوسری بنوائی جا سکتی ہے۔''

وہ کہنے لگے:

''پھر ہم آپ کے خلاف کچھ نہیں کہتے لیکن آپ اپنے فاسق عمال کو برطرف کر دیجئے اور ان کی جگہ ایسے عامل مقرر کیجئے جو ہم سے انصاف کریں اور ہمارے مطالبات مانا کریں۔''

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

''اگر میں تمہاری خواہشات پر عمل کرنے لگوں جس کو تم عامل بتانا چاہو اس کو عامل بناؤں' جس کو تم معزول کرنا چاہو اس کو معزول کر دوں تو میری حکومت کہاں رہی تمہاری حکومت ہو گئی۔''

وہ کہنے لگے:

''آپ کو ایسا ضرور کرنا پڑے گا ورنہ دو صورتیں ہیں۔ یا آپ معزول ہو جایئے اور یا قتل ہونے کے لئے تیار رہیے۔ اب جو کرنا ہو وہ سوچ لیجئے۔

آپ نے فرمایا:

''میں وہ قمیض اتارنے کے لئے ہرگز تیار نہیں جو خدا نے مجھے پہنائی ہے۔''

واقعہ یہ ہے کہ اس خط کے معاملہ میں ہم کسی شک میں نہیں اور ہمیں یقین ہے حضرت عثمانؓ اس خط کے اتہام سے بالکل بری ہیں۔ آپ نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ یہ خط یقیناً مروان یا حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے لکھا تھا اور حضرت عثمانؓ کی مرضی اور علم کے بغیر لکھا تھا۔ بنی امیہ کی یہی سیاست تھی۔ (1)

(۲۲)

تشویشناک صورتحال

جس وقت مفسدین حضرت عثمانؓ کا عامل مصر کے نام خط لے کر دوبارہ مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت علیؓ مدینہ چھوڑ کر خیبر میں مقیم ہو گئے۔ وہ حضرت عثمانؓ سے اس بات پر ناراض تھے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی رائے پر اپنے مشیروں کی رائے کو ترجیح دی تھی۔

جب حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ بنی امیہ ان کی مدافعت سے بالکل عاجز آ گئے ہیں اور اہل مدینہ نے ان کو چھوڑ دیا ہے تو حضرت علیؓ کو بلانا چاہا اور انہیں ایک خط لکھا۔ اس خط کو ابوالعباس المبرد صاحب کامل نے اس طرح نقل کیا ہے:

(1) شروع میں ثابت کیا جا چکا ہے نہ یہ خط حضرت عثمانؓ نے لکھوایا اور نہ مروان یا حضرت عثمانؓ کے قریبی آدمیوں میں سے کسی نے لکھا۔ بلکہ یہ ان مفسدین کا خود بنایا ہوا تھا۔ (مترجم)

''اب پانی سر سے گزر چکا ہے لوگ میری جان کے درپے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک میرا خون نہ بہالیں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔''

ساتھ ہی ایک شعر بھی نقل کیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اگر واقعی میں ایسی چیز ہوں جس کا کھالینا ہی مناسب ہے تو آپ ہی آ کر اس کو کھانے والے بنیں۔ ورنہ پھر میری مدد کیجئے۔ ایسا نہ ہوا تو میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاؤں گا۔''

ادھر حضرت علیؓ کی غیر موجودگی میں طلحہ بن عبید اللہ ان لوگوں کی خواہشات کا مرکز بن گئے تھے۔ شاید وہ خود اپنے لئے خلافت کے خواہشمند تھے۔ (1) لوگ چھپ چھپ کر ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ جب حضرت علیؓ آئے اور حضرت عثمانؓ نے ان سے لوگوں کو ہٹانے کو کہا تو وہ طلحہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا:

طلحہ! یہ کیا بات ہے کہ تم اس معاملہ میں کیوں پھنس گئے؟''

اس کے بعد وہ بیت المال میں گئے اور لوگوں کو کچھ مال دیا جس پر انہوں نے طلحہ کو چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے علیحدگی میں یہ سارا حال کہہ دیا۔ طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس معافی مانگنے آئے تو آپ نے ان سے کہا۔

خدا کی قسم تم درحقیقت معافی مانگنے نہیں آئے ہو بلکہ صرف اس وجہ سے آئے ہو کہ تم مغلوب ہو چکے ہو۔''

ہمارے پاس امر کا بین ثبوت موجود ہے کہ طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھے اور حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے:

''اے اللہ! مجھے طلحہ کے شر سے بچا۔''

آپ یہ بھی کہا کرتے تھے:

''میں نے طلحہ کو بے شمار مال و دولت سے نوازا لیکن وہ میرے خون کا پیاسا ہے اور لوگوں کو میرے خلاف ابھارتا ہے۔ اے اللہ! تو اس کو کچھ نہ دے اور اس کی سرکشی کا مزا اس کو چکھا۔''

---

(1) حضرت طلحہ پر یہ الزام لگانا قطعاً درست نہیں۔ آپ نے اپنے دونوں لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت اور باغیوں سے مقابلے کے لئے اس حالت میں بھیجا کہ باغی ہزاروں کی تعداد میں ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھے اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے مقابلہ کرنے کے لئے پانچ چھ آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ اس صورت میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کا اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیجنا صریحاً ان کو موت کے منہ میں دھکیلنا تھا۔ کیا ایسا شخص جس کو کسی شخص نے بغض و عناد ہو وہ اس کی حفاظت کے لئے اپنے بچوں کو موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے؟ یہ کام صرف انتہائی جانثاروں کا ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ مورخین نے ایسی باتیں جو عقل و قیاس سے کوسوں دور ہیں اپنی تاریخوں میں بلا سوچے سمجھے درج کر دیں۔ (مترجم)

وہ لوگ جو ''واقعہ دار'' کے موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن موجود تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ اس دن طلحہ نے اپنے آپ کو کپڑوں میں چھپا رکھا تھا اور وہ لوگوں کی نظروں سے بچ کر آپ کے گھر میں تیر مارتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب محاصرین حضرت عثمانؓ کے گھر میں دروازے کی راہ سے داخل نہ ہو سکے تو یہ طلحہ ہی تھے جنہوں نے ان کو صلاح دی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پیچھے ایک انصاری کے گھر میں داخل ہو کر اور اس کی دیوار پھاند کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو اس مکان پر چڑھانے میں مدد بھی دی تھی۔

زبیر بن العوام بھی اگرچہ حضرت عثمانؓ کے مخالفین میں سے تھے لیکن ان کے بیٹے عبداللہ نے حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ان غوغائیوں کا مقابلہ کیا اور ان کو وہاں سے ہٹا دیا۔(1)

جب ہم یہ واقعات دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی کہ دونوں صاحبان خلافت کے متمنی تھے اور ان کو یقین تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد خلافت کے یہی وارث ہوں گے۔ ان کو یہ خیال بھی تھا کہ جب حضرت علیؓ خلافت سے پہلی دوسری اور تیسری مرتبہ محروم ہو چکے ہیں تو اس موقع پر بھی وہ خلافت حاصل نہیں کر سکیں گے اور چوتھی مرتبہ بھی ان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

یہ بات یقینی ہے کہ جب فتنہ شدت اختیار کر چکا تو اس وقت یہ امر حضرت علیؓ کی طاقت سے باہر ہو چکا تھا کہ وہ ان مفسدین کو مدینہ سے باہر نکال دیتے۔ اگر ایسا کرنا آپ کے امکان میں ہوتا تو آپ ضرور ایسا کرتے خصوصاً جب حضرت عثمانؓ کا محاصرہ اور بھی سخت ہو گیا اور محاصرین نے آپ کے لئے پانی بھی بند کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے پیاس کی شدت سے بے قرار ہو کر حضرت علیؓ اور ازواج رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ان کو پانی پہنچائیں۔ رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک بیوی حضرت ام حبیبہ نے جو حضرت معاویہؓ کی شقیقہ (بہن) تھیں چاہا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پانی لے کر جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکیں۔ محاصرین نے ان کو لوٹا دیا۔ تلوار سے ان کے خچر کے پالان کی رسی کاٹ ڈالی جس سے اس کی زین الٹ گئی اور حضرت ام حبیبہؓ اس پر سے گر پڑیں۔ اگر بعض لوگ

---

(1) کیا عجیب مخالفت ہے کہ اپنے دشمن کی حفاظت کے لئے اپنے لڑکے کو بھیجا جا رہا ہے۔ اگر ان کو خلافت کی خواہش ہوتی تو کون سا امر مانع تھا کہ وہ باغیوں کے ساتھ مل جاتے لیکن بجائے باغیوں کے ساتھ ملنے کے' جو ان کی مطلب برآری کا سہل ترین ذریعہ تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ مل جاتے ہیں جن سے ان کو از حد دشمنی تھی اور ان کی حفاظت کے لئے اپنے لڑکوں کو بھی تلواروں کی دھاروں پر رکھ دیتے ہیں۔ کیا ان باتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہؓ کے خلاف یہ الزامات محض اتہام کی صورت رکھتے ہیں۔ اور اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہ حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے اور وہ حضرت عثمانؓ کی اعانت و امداد سے دست کش ہو گئے تھے۔ (مترجم)

جھپٹ کر حضرت ام حبیبہؓ کو بچا نہ لیتے تو وہ بھی شہید ہو جاتیں۔ جب حضرت عائشہؓ نے یہ دیکھا تو حج کی تیاری شروع کر دی اور اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حضرت عائشہؓ اہلِ مصر کے سخت خلاف تھیں کیونکہ وہ حضرت علیؓ کو چاہتے تھے اور حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے نفرت کرتی تھیں۔ (1) جب مروان بن الحکم آپ کے پاس آیا اور آپ سے حضرت عثمانؓ کی کے لئے مدینہ میں ہی ٹھہرنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا:

''کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو ام حبیبہؓ کے ساتھ کیا گیا اگر میرے ساتھ ایسا کیا گیا تو مجھے تو کوئی ایسا آدمی بھی نظر نہیں آتا جو میری مدد کو پہنچے۔''

البتہ حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے پاس پانی جانا بالکل بند ہو گیا ہے تو ایک رات محاصرین کے پاس آئے اور ان سے کہا:

''اے لوگو! تم تو وہ کام کر رہے ہو جو مومنوں کو بالکل زیب نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ کافر بھی یہ نہیں کرتے۔ تم کیوں عثمان کا کھانا پینا بند کر رہے ہو۔ رومی اور فارسی بھی جب کسی کو قید کرتے ہیں تو کو کھانا پانی دیتے ہیں۔ اس شخص نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم نے اس کا محاصرہ کر رکھا ہے اور اس کے کے درپے ہو؟''

لیکن انہوں نے حضرت علیؓ کی بات بھی ماننے سے انکار کر دیا اور آپ سے صاف صاف کہہ دیا کہ ''ہم کھانے یا پینے کی کوئی چیز عثمانؓ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔''

اس پر حضرت علیؓ اپنا عمامہ حضرت عثمانؓ کے گھر میں پھینک کر چلے گئے۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ آئے تھے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس سلوک کا علم ہوا جو مفسدین نے حضرت علیؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ کیا تھا تو وہ بھی مجبوراً اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے اور پانی پہنچانے کی کوشش نہ کی۔ (2)

---

(1) یہ الزام بھی ویسا ہی غلط ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا حضرت عثمانؓ کے خلاف ہونے کا الزام۔ واقعہ یہی ہے حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؓ سے کسی قسم کی کدورت نہ تھی۔

(2) یہ عجیب تماشا ہے کہ ایک طرف تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر خلافت کے اس درجہ متمنی ہیں کہ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر کی دشمنی تک انہوں نے اپنے دل میں پال رکھی ہے اور دوسری طرف وہ اپنے گھر میں صرف اس لئے بیٹھ جاتے ہیں حضرت کو محض اس لئے پانی نہیں پہنچا سکتے کہ حضرت علیؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ باغیوں کا ناروا سلوک انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ (مترجم)

محاصرہ کے دوران میں ہی حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ ں کے بعد ان کو ایک خط ارسال کیا اور کہلا بھیجا کہ اس خط کو حج اکبر کے دن حاجیوں کے مجمع میں پڑھ کر دیں۔ اس خط میں آپ نے اس سخت محاصرہ کا ذکر کیا اور بتلایا کہ لوگ آپ کے خون کے پیاسے ہیں آپ کی جان لیے بغیر ٹلنے والے نہیں۔ اس کے بعد لوگوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ان کی مدد کے لئے ینہ پہنچیں۔

آپ کا یہ دل ہلا دینے والا پیغام حجاج کے عظیم الشان مجمع میں سنا دیا گیا جس سے لوگوں میں دست جوش پھیل گیا اور تمام حاجی حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ پہنچنے کے لئے تیار ہونے لگے۔

محاصرہ کی اس شدت کے دوران میں دار آل حزم سے تھوڑا بہت پانی لوگوں کی آنکھ بچا کر رت عثمانؓ کے پاس پہنچا دیا جایا کرتا تھا جب باغیوں کو اس کا پتا چلا تو وہ آل حزم کے گھروں کی بھی ی نگرانی کرنے لگے۔

جب بہت ہی سختی ہونے لگی تو آپ چھت پر چڑھے اور باغیوں سے فرمایا:

''میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے ''بئر رومہ'' اپنے مال سے نہیں خریدا تھا رکیا میرا اس میں اتنا بھی حصہ نہیں جتنا دوسرے مسلمانوں کا؟''

انہوں نے جواب دیا: ''بے شک!''

آپ نے فرمایا

''تو پھر مجھے اس سے پانی کیوں نہیں لینے دیا جاتا؟''

اس کے بعد آپ نے ان سے پوچھا۔

''میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے یہ زمین اپنے پاس سے خرید کر مسجد بوی کی توسیع نہیں کی تھی؟''

انہوں نے کہا: 'یقیناً!''

آپ نے فرمایا:

''کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ کبھی میری طرف سے اس میں کسی کو نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہو؟''

اس کے بعد آپ نے اسی قسم کے کچھ اور امور کا ذکر کیا لیکن ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

محاصرہ شدت پکڑتا گیا۔ جب باغیوں کو یہ معلوم ہوا کہ حج ختم ہو چکا ہے اور حضرت عثمانؓ کی دد کے لئے مکہ سے فوجیں چل پڑی ہیں تو ان میں سخت گھبراہٹ پھیل گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر

جلدی نہ کی گئی تو ان کی خیر نہیں۔ اس پر انہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ جب وہ اس مقصد کیلئے آپ کے گھر میں داخل ہونے لگے تو حضرت حسن بن علیؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت طلحہؓ کے دونوں لڑکوں اور کئی صحابہؓ نے جو حضرت عثمانؓ کے گھر موجود تھے ان کا سخت مقابلہ کیا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو لڑنے سے روک دیا اور ان کو ان کے گھروں پر بھیج دیا۔

یہ ایک اور مضبوط دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت عثمانؓ نے ہرگز وہ خط نہیں بھیجا تھا جو مصریوں کے ہاتھ لگا تھا۔ اگر خلیفہ ثالث ان لوگوں میں سے ہوتے جو فتنہ کے سرغنوں کا سر کچلنا چاہتے تھے تو کبھی آپ اپنے اعوان و انصار کو مدافعت کرنے سے نہ روکتے اور ان کو ان کے گھر واپس نہ بھیجتے۔ حضرت عثمانؓ نے جو کچھ کیا وہ اس وجہ سے کیا کہ کہیں فتنہ نہ پھوٹ پڑے۔ اس فتنہ کا آپ کو اپنے تمام ایام خلافت میں بڑا خوف تھا۔ آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ فتنہ آپ کے زمانہ میں' آپ کے ہاتھوں اور آپ کے حکم سے پھوٹے۔

(۲۳)

مدینہ ایامِ محاصرہ میں

ہم نے فتنہ کے اسباب' اس کے پیدا ہونے اور بڑھنے کے متعلق کافی وضاحت سے بحث کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم نے معاملہ کے ہر پہلو کا جائزہ لے کر ایک بہت بڑے فرض کو انجام دیا ہے۔ مورخین نے فتنہ کے اسباب کے بیان میں بحث کو طول نہیں دیا اور وضاحت سے اس معاملہ پر روشنی نہیں ڈالی۔ ہم نے تاریخ کے جدید اصولوں کو پیش نظر رکھ کر تمام جماعتوں اور گروہوں کے خیالات و افکار اور رائے عامہ کے عواطف و جذبات پر بحث کی ہے۔ کیونکہ ہم اس کتاب کو محض حضرت عثمانؓ کی سوانح حیات بنا دینا نہیں بلکہ امت مسلمہ کی تاریخ اور اس کی پراگندہ حالی کی نفسیاتی تصویر کا درجہ بھی دینا چاہتے تھے۔

اہل مدینہ نے اس بغاوت کے وقت عجیب و غریب روش اختیار کر لی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ متحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرتے اور اس بغاوت کا سر کچلتے' انہوں نے اپنی اس عجیب و غریب روش کی بنا پر مفسدین اور باغیوں کے ہاتھ مضبوط کر دئے۔ اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ اہل مدینہ بھی حضرت عثمانؓ کے محاصرہ اور قتل میں بالواسطہ شریک تھے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بالکل چھوڑ دیا اور محاصرہ کی تمام مدت میں بالکل خاموش رہے۔ انہوں نے اس فتنہ کے فرو کرنے میں

کوئی مدد نہیں کی اور ان شورہ پشت لوگوں کے کچلنے میں کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔(1)

مستشرقین کہتے ہیں کہ اس کی اصل وجہ ایک لمبے عرصہ تک مخفی رہنے کے بعد جاہلی عصبیت کا دوبارہ پیدا ہو جانا اور حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور لوگوں کا علی الاعلان آپ کے خلاف متحدہ محاذ بنا لینا ہے۔ اگر یہ رائے سچ ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرب نے کس حد تک اسلام کا اثر قبول کیا۔ عربوں کے ایک نئے دین میں داخل ہو جانے سے جاہلیت کے تمام جھگڑے ختم ہو گئے تھے۔

یہ بات یقینی ہے کہ قدیم و جدید، موروثی مذہب اور نئے دین (اسلام) کا باہمی نزاع اگرچہ کافی دیر تک چلا لیکن پھر بھی عربوں کے اسلام میں داخل ہونے کے باوجود جاہلیت کی باتوں کو پوری طرح کچلا نہ جا سکا۔ جاہلی جھگڑے وقتاً فوقتاً ہوتے رہے اور یہ دشمنی ایک لمبے عرصے تک جاری رہی۔

اسلام قبائلی اور جنسی تعصب کو مٹانے آیا تھا۔ اس کی تعلیم یہ تھی کہ تمام انسان برابر ہیں۔ وہ بلند آواز سے یہ اعلان کرتا تھا۔

ان اکرمکم عند الله اتقاکم

رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان واضح طور پر کھلے الفاظ میں بیان کر دیا تھا:

انما المومنون اخوة

(تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔)

مسلم میں ایک روایت آتی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص عصبیت کو ابھارتا، عصبیت کی طرف بلاتا یا عصبیت کو ابھارنے میں مدد کرتا ہے اور اسی مقصد کے لئے لڑتا اور مارا جاتا ہے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔''

رسول کریم ﷺ نے اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کرادی تھی حالانکہ قریشیوں اور اہل مدینہ میں دیرینہ دشمنی اور قدیم عداوت چلی آتی تھی۔ لیکن پھر بھی جاہلی عصبیت کلی طور پر مٹ نہ سکی اور اگر کسی نے اس کو بھڑکانا چاہا تو اس نے پھوٹ پڑنے کے لئے زور لگایا۔ لیکن رسول کریم ﷺ نے اپنے زمانہ میں اس کو بالکل مٹا دیا اور اس کے ابھرنے کی کوئی راہ نہ چھوڑی۔ یہی کام حضرت صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے کیا۔ لیکن جب خلافت حضرت عثمانؓ کے پاس آئی تو چونکہ حضرت عثمانؓ کمزور اور ضعیف تھے اس لئے عصبیت اپنے پورے زور سے ظاہر ہوئی۔ بنوامیہ اسلام میں بھی اسی طرح اپنا تسلط قائم کرنے کے ارادے کرنے لگے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ

(1) اس الزام کا جواب ہم پیش لفظ میں دے چکے ہیں۔(مترجم)

میں ان کا دستور تھا۔ قبائل نے بھی ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اپنی پرانی سرشت اختیار کر لی اور پرانے جھگڑے قصے پھر ابھرنے لگے۔

اس منحوس عصبیت نے سب سے پہلے عراق میں اپنا رنگ جمایا۔ عرب، عراق میں قبائلی عصبیت کو ساتھ لے کر داخل ہوئے اور اس کا پہلا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ بصرہ اور کوفہ مختلف قبائل میں بٹ گئے۔ کوفہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک شرقی اور ایک غربی۔ شرقی حصہ یمنی تھے اور غربی میں نزاری۔ ہر فریق نے قبائل کے لحاظ سے زمین کی تقسیم کر لی۔ شعبی کہتا ہے کہ کوفہ میں یمنی نزاریوں سے زیادہ تھے۔ یمنی بارہ ہزار تھے اور نزاری آٹھ ہزار۔ اس عصبیت نے شدید نزاع کی صورت اختیار کر لی۔ کوفہ اور بصرہ کے عربوں میں جب لڑائی ٹھنی تب بھی یہ تفریق قائم رہی۔ ہر شہر کے ہر قبیلہ نے دوسرے شہر کے اس قبیلہ کے ساتھ لڑائی کی جو اس کا مدمقابل تھا۔ کوفہ کے یمنی بصرہ کے یمنیوں سے لڑتے تھے۔ کوفہ کے ربیعہ بصرہ کے ربیعہ سے جنگ کرتے تھے اور کوفہ کے نضر بصرہ کے نضر سے برسرپیکار ہوتے تھے۔

عصبیت کو بھڑکانے والی ایک چیز اور بھی تھی اور وہ یہ کہ عراق کے اکثر باشندے فارس سے آئے ہوئے تھے۔ عرب بہت کم تھے۔ موالی جن پر جزیہ واجب ہوتا تھا۔ پانچ لاکھ سے بھی زیادہ تھے یہ ان لوگوں کے علاوہ تھے جو ایرانیوں میں سے اسلام لائے تھے۔ یہ موالی عربوں کے حلیف تھے اور ان کی ولایت میں ان کی حمایت کی وجہ سے داخل ہوئے تھے۔ وہ عربوں کو اپنا سردار تصور کرتے تھے۔ ان موالیین میں سے ہر قوم اسی قبیلہ کی حمایت کرتی تھی جس کے وہ موالی اور حلیف تھے۔ اسی وجہ سے عراق مختلف گروہوں اور قبائل میں بٹ گیا تھا۔ ہر گروہ اپنی اپنی ذاتی اغراض اور اپنے اپنے مخصوص مصالح کے مطابق عمل کرتا تھا۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس وقت مدینہ کی حالت بھی بالکل وہی تھی جو عراق اور شام کی تھی۔ مدینہ کے باشندوں میں سے بنو ہاشم حضرت علیؓ کے طرفدار تھے اور بنو امیہ حضرت عثمانؓ کے۔ ان کے درمیان انصار نے عجیب و غریب رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ عموماً ان کا موقف یہ تھا کہ مہاجرین نے ان کا حق غصب کر لیا ہے اور تمام سلطنت پر خود ہی قابض ہو گئے ہیں۔ یہ یقینی امر ہے کہ مدینہ میں بنو ہاشم اور بنو امیہ اور مہاجرین و انصار کے درمیان اختلاف جو جاہلی عصبیت کی ایک نشانی تھا۔ وہی سب سے سبب اس بات کا تھا کہ مدینہ کے باشندے حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے ایام میں بالکل الگ تھلگ رہے انہوں نے خلیفہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھا لیکن خاموش بیٹھے رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف قوم کو جرات اسی لیے ہوئی کہ آپ میں درجہ نرمی تھی۔ نیز بڑھاپے کی کمزوری اور بعض ایسی باتوں نے جن کو آپ سے پہلے خلفاء نہیں کیا کرتے تھے، جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ مہاجرین اور انصار میں اس امر کی طاقت نہ تھی کہ اگر وہ سب معاملا

پر سنجیدگی سے غور کرتے ۔ آپ کی سیاست پر راضی رہتے جاہلی عصبیت ان کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرتی اور مصریوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تو مصری جن کی تعداد ایک ہزار آدمیوں سے زیادہ نہیں تھی ۔ ہرگز اہل مدینہ اور ان کے ساتھ مہاجرین وانصار پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے تھے ۔

اہل مدینہ اکثر شکایات کرنے والوں کی شکایتوں پر بہت کان دھرا کرتے تھے ۔ اور جو کچھ وہ لوگ حضرت عثمانؓ سے شکایتیں کرتے تھے ۔ اہل مدینہ ان کی ہمدردی میں پیش پیش رہا کرتے تھے ۔ اکثر اوقات وہ حضرت عثمانؓ اور بنی امیہ پر اس سلسلہ میں اعتراضات بھی کیا کرتے تھے اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے ۔ اس طرح وہ خلافت کے نام کی بے عزتی کرتے تھے جس کا احترام کرنا ہر مسلم کا فرض تھا ۔ (1)

مختلف شہروں کے مفسدین اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ حضرت عثمانؓ پر بعض اعتراضات کیا کرتے تھے جن میں سے کچھ ہم گزشتہ فصلوں میں بتا آئے ہیں وہ تمام اعتراضات ہم یک جائی طور پر نیچے حاشیہ میں درج کرتے ہیں ۔ (2) یہ وہ امور تھے ۔

---

(1) ان الزامات کے متعلق پیش لفظ میں بہت بحث ہو چکی ہے ۔ (مترجم)

(2) حضرت عثمانؓ پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1- منیٰ اور عرفہ میں پوری نماز پڑھنا حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانشین وہاں نماز قصر پڑھا کرتے تھے ۔
2- جمعہ کے دن زوراء کے مقام پر تیسری اذان کی زیادتی کرنا ۔
3- حضرت ابوذر کو شام سے نکال کر مدینہ اور مدینہ سے نکال کر زبدہ بھیج دینا ۔
4- رسول کریم ﷺ کی انگوٹھی کا ان کے ہاتھ سے نکل کر اریس نامی کنویں میں گر پڑنا ۔
5- اپنے اہل وعیال اور اپنے چچازاد بھائیوں میں ولایت تقسیم کرنا اور ولید بن عقبہ کو شراب پینے کی سزا دینے میں تاخیر کرنا ۔
6- اپنے اہل وعیال اور چچیرے بھائیوں میں جائیدادیں تقسیم کر دینا اور ان کو لوگوں کے سروں پر مسلط کر دینا ۔
7- صرف اپنے رشتہ داروں کی رائے اور مشورہ پر چلنا اور مہاجرین وانصار کو مشورہ اور امور سلطنت میں شریک نہ کرنا ۔
8- مروان کو افریقہ کے غزوہ کا خمس (پانچواں حصہ جو خلیفہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے) دے دینا ۔
9- عبداللہ بن خالد بن اسید کو چار لاکھ درہم دے دینا ۔
10- حارث بن الحکم کو مدینہ میں ایک جگہ دے دینا جو رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو عطا فرما دی تھی ۔
11- حارث بن الحکم سے اپنی بیٹی عائشہ کا نکاح کر دینا اور اپنے داماد کو ایک ہزار درہم بیت المال میں سے دے دینا ۔
12- ابوسفیان بن حرب کو دو ہزار درہم دے دینا ۔
13- مدینہ کے اردگرد سرکاری چراگاہ بنا دینا لیکن بنی امیہ کو اس میں داخل نہ ہونے سے مستثنیٰ کرنا ۔
14- حکم بن ابی العاص کو جسے رسول کریم ﷺ نے مدینہ سے نکال دیا تھا مدینہ واپس بلا لینا اور اس کو ایک ہزار درہم دے دینا ۔
15- خیزران کو کوڑے مارنا ۔
16- اونچی اونچی عمارتیں بنانا ۔ آپ نے مدینہ میں سات گھر بنائے ۔ اپنی بیوی نائلہ کو ایک گھر اور اپنی بیٹی عائشہ کو ایک گھر دیا ۔ اور ان کے علاوہ اپنے اہل وعیال اور ہر بیٹی کو ایک ایک گھر دیا ۔
17- عبداللہ بن مسعود کو اتنا پیٹا کہ ان کی ایک پسلی ٹوٹ گئی ۔ (مولف)

جن کے بارہ میں مہاجرین انصار اور اہل مدینہ بھی حضرت عثمانؓ کو قصور وار ٹھہراتے تھے اور فتنہ پرداز سرغنوں کے ہاتھوں میں تو یہ اعتراضات ایک زبردست حربہ تھے ہی جس سے کام لے کر وہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکایا کرتے تھے۔ یہی امور اہل مدینہ کے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دینے کا باعث بنے۔

حضرت عثمانؓ نے بھی ایام محاصرہ میں اہل مدینہ کے سکوت اوران کی دست کشی سے یہ سمجھا تھا کہ یہی باتیں فتنہ انگیز گروہ کو جرات دلا رہی ہیں کہ وہ جتنی سختی آپ پر کرسکیں کریں اور آپ کے خلاف گندگی پھیلانے اور آپ پر اعتراضات کرنے میں جس قدر بڑھنا چاہیں بڑھ جائیں۔ اگر اہل مدینہ کے دل آپ کے خلاف بغض سے بھرے ہوئے نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ وہ آپ کی مدد کے لئے آتے امیر المومنین اور خلافت کے دفاع میں تلوار اٹھاتے۔

آپ کی امامت اور سیاست پر بے شمار اعتراضات کیے گئے رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابہؓ نے ایک خط کا مسودہ تیار کیا' جس میں آپ کے خلاف مندرجہ ذیل الزامات لگائے گئے۔

حضرت عثمانؓ نے رسول کریم ﷺ کی سنت کے خلاف کام کیے ہیں۔ اونچی اونچی عمارتیں بنوائی ہیں۔ ولایات اور حکومت کا سارا کام اپنے اہل وعیال اور چچیرے بھائیوں میں تقسیم کر دیا ہے جو ابھی نا تجربہ کار اور بچے ہیں جن کو نہ رسول کریم ﷺ کی صحبت حاصل رہی ہے نہ امور سلطنت کا کوئی تجربہ ہے۔ حد یہ ہے کہ ولید بن عقبہ امیر کوفہ صبح کی نماز نشہ کی حالت میں پڑھاتا ہے اور بجائے دو کے چار رکعتیں پڑھا دیتا ہے اور نماز پڑھا کر مقتدیوں سے کہتا ہے کہ اگر تم ایک رکعت اور زیادہ پڑھنا چاہو تو وہ بھی پڑھا دوں۔ لیکن آپ نے اس پر حد جاری نہیں کی اور فرمایا کہ اس پر حد اس وقت لگائی جائے گی جب یہ شہادت دی جائے کہ یہ شخص شراب پیتا ہے اور بار بار پیتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس مہاجرین و انصار کو بالکل عضو معطل کی طرح چھوڑ رکھا ہے۔ کوئی کام بھی ان کے سپرد نہیں کیا جاتا۔ ان سے کوئی مشورہ نہیں لیا جاتا اور اپنی رائے کو ان کی رائے پر مقدم کیا جاتا ہے۔ مدینہ کے اردگرد چراگاہ بنائی ہوئی ہے اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے سے روکا جاتا ہے۔ جائیدادیں' وظیفے اور عطیے ان لوگوں کو دیے جاتے ہیں جن کو رسول کریم ﷺ سے کوئی صحبت نہیں رہی اور وہ لڑائیوں اور مہموں میں بھی کوئی حصہ نہیں لیتے۔ خیزران کو بے تحاشا کوڑے مارے اور آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کی پیٹھوں پر کوڑے برسائے (ان امور کا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں) اس خط کا مسودہ تیار ہونے پر یہ طے کیا گیا کہ یہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں پہنچا دیا جائے۔

جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے یہ خط تیار کیا تھا۔ وہ عمار

سر اور مقداد بن الاسودؓ سمیت دس صحابہ تھے۔ جب یہ لوگ خط لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس چلے تو خط عمار کے ہاتھ میں دے دیا اور خود آہستہ آہستہ کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ آخر میں صرف عمار باقی رہ گئے۔

انہوں نے پروانہ کی اور خط لیے حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کے گھر میں آپ کے اہل و عیال موجود تھے۔ حضرت عمارؓ نے یہ خط حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے پڑھا اور کہنے لگے:

"تم نے یہ خط لکھا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہاں!"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"تمہارے ساتھ اور کون شریک تھا۔"

انہوں نے جواب دیا:

"میرے ساتھ چند لوگ تھے جو آپ کے ڈر کی وجہ سے آپ کے پاس نہ آ سکے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "وہ تھے کون؟"

انہوں نے جواب دیا: "یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "پھر تم نے یہ جرات کیوں کی؟"

مروان کہنے لگا:

"امیر المومنین! یہ سیاہ غلام (عمار) لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا ہے۔ اگر آپ اس کو قتل کر دیں تو دوسرے اس کا حشر دیکھ کر عبرت پکڑیں گے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا! "اس کو مارو۔"

دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ عمار کا پیٹ پھٹ گیا اور ان پر غشی طاری ہو گئی۔

اس کے بعد لوگوں نے انہیں گھسیٹ کر گھر کے دروازہ پر ڈال دیا۔ بنو مغیرہ جو عمار کے حلیف تھے۔ یہ دیکھ کر طیش میں آ گئے۔

عمارؓ بڑے جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے۔ رسول کریم ﷺ اپنے مشورہ کی مجلس میں آپ کو شریک کرتے تھے۔ آپ کی کئی فضیلتیں مروی ہیں۔ آپ کا مرتبہ مسلمانوں میں بے حد بلند تھا۔

حضرت عمارؓ کے ساتھ اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ

کرنے میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی بے انتہاء خدمت کی اور صفین میں شہید ہوئے۔(1)

خلاصہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف کئی عوامل کام کر رہے تھے۔ ایک تو باغی کہ جو کچھ ان کے سر میں سما جاتا تھا اس کے کرنے پر تل جاتے تھے اس لئے کہ وہ اگر ایسا نہ کرتے تو ان کے لئے سخت خطرہ تھا۔ دوسرے اہل مدینہ جو حضرت عثمانؓ کو چھوڑ بیٹھے تھے اور اس معاملہ میں بالکل خاموش تھے۔ ان میں سے بعض خاموشی کی حد سے گزر کر حضرت عثمانؓ کے خلاف آمادہ پیکار بھی تھے۔ تیسرے بنوامیہ جو چاہتے تھے کہ معاملہ کو یہاں تک ڈھیل دی جائے کہ فوجیں مدینہ پہنچ جائیں۔ اگر حضرت عثمانؓ کوئی وعدہ کرتے وہ اسے تڑوا دیتے۔(2) اگر آپ لوگوں کے مطالبات کو ماننے کا ارادہ کرتے بھی تو وہ آپ کو اس ارادہ سے پھیر دیتے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ انہیں کے کہنے پر چلیں اور خلافت سے معزول ہونے سے بالکل انکار کر دیں۔(3)

جو عوامل حضرت عثمانؓ کی شہادت کا باعث ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ دوسروں کی رائے پر نہ چلتے تھے۔ اگر آپ دوسروں کے مشوروں پر چلتے تو آپ کی زندگی بچ جاتی۔ مغیرہ بن شعبہ نے آپ کے بچانے کی ایک تدبیر سوچی۔ وہ حالت محاصرہ میں آپ سے ملے اور کہنے لگے:

"امیر المومنین! آپ لوگوں کے امام ہیں۔ آپ پر جو مصیبت پڑی ہوئی ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔ میں آپ کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں:

1- پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نکل کر ان کا مقابلہ کریں۔ آپ کے پاس فوج اور قوت کافی ہے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔ اس لئے فتح آپ ہی کی ہوگی۔

---

(1) تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے شدید ترین دشمنوں سے بھی عفو اور درگزر کا سلوک کیا اور باوجود عمال کے بار بار اصرار کرنے کے آپ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی حالانکہ آپ بڑی آسانی سے ان کو عبرت ناک سزائیں دے سکتے تھے اور کوئی شخص بھی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ایک معمولی سی بات پر حضرت عمارؓ کے ساتھ یہ سلوک کرتے؟ اس واقعہ پر غور کرنے کے ساتھ خط کی اصلیت بھی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اور ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ محض ایک من گھڑت واقعہ ہے اور اصلیت سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔

(2) حضرت عثمانؓ جیسے مقدس اور پاکباز انسان پر یہ الزام لگانا خود الزام لگانے والوں کے خبث باطنی کی دلیل ہے۔ حضرت عثمانؓ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔

(3) جس صورت میں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو خلعت خلافت اتارنے سے منع فرمایا تھا تو بنی امیہ کے کہنے سے معزول ہو جانے یا معزول ہونے سے انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مترجم)

2- دوسری یہ کہ ہم آپ کے لئے ایک چور دروازہ گھر کے دروازہ کے علاوہ بنا دیتے ہیں آپ اس دروازہ سے نکل جایئے اور سواری پر بیٹھ کر مکہ چلے جایئے۔ وہاں آپ ان کے ہاتھوں سے بالکل محفوظ ہوں گے اور وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔

3- اگر یہ دونوں باتیں آپ کو منظور نہ ہوں تو پھر آپ شام چلے جائیں وہاں معاویہ جیسا زبردست شخص موجود ہے اور یہ لوگ وہاں آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔''

لیکن حضرت عثمانؓ نے مغیرہ کے مشورہ کو نہ مانا۔ واقعہ یہ ہے کہ مغیرہ کی تدبیریں دور اندیشی اور معقولیت کے لحاظ سے بہت بڑا مرتبہ رکھتی تھیں۔ اگر حضرت عثمانؓ ان پر عمل کرتے تو کبھی وہ نہ ہوتا جو ہوا۔(1)

(۲۴)

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ

ابو جعفر بن مکی الحاجب کہتے ہیں:

''میں نے محمد بن سلیمان سے جو ایک ظریف الطبع ادیب اور نہایت عقلمند شخص تھا اور ریاضیات اور فلسفہ کا ماہر تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے باہمی تعلقات کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا:

یہ ایک بہت پرانی عداوت تھی جو عبدالشمس اور بنی ہاشم میں چلی آ رہی تھی۔ حرب جو بنی امیہ کا ایک ممتاز فرد تھا عبدالمطلب بن ہاشم سے نفرت رکھتا تھا۔ ابو سفیان حضرت محمد ﷺ کا جانی دشمن تھا اور کئی بار آپ سے جنگ و جدال بھی کر چکا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا اور دوسری بیٹی کا حضرت عثمانؓ سے۔ لیکن جو تعلق حضور علیہ السلام کو حضرت علیؓ سے بیاہی ہوئی بیٹی فاطمہؓ

(1) پہلی بات تو حضرت عثمانؓ نے اس لئے نہیں مانی کہ وہ اپنی ذات کے لئے مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور ان کا کشت و خون کرانا نہیں چاہتے تھے جیسا کہ بعد کے لوگوں نے کرایا اور نتیجہ سوائے بربادی اور تباہی کے کچھ نہ نکلا۔
دوسری ترکیب انتہائی بزدلی پر دلالت کرتی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کا جانشین اسے کس طرح منظور کر سکتا تھا۔
تیسری تجویز کو آپ نے اس لئے قبول نہ کیا کہ حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان کسی صورت اور کسی حالت میں بھی حضرت رسول کریم ﷺ کے قرب کو چھوڑ کر کہیں باہر جانا پسند نہیں فرماتے تھے خواہ اس میں ان کی جان ہی چلی جائے۔
اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے بھی حضرت امیر المومنین کے سامنے تقریباً یہی تجاویز پیش کی تھیں مگر آپ نے بڑی سختی کے ساتھ ان کو مسترد کر دیا تھا۔ (مترجم)

سے تھا وہ حضرت عثمانؓ سے بیاہی ہوئی اپنی دونوں بیٹیوں سے نہیں تھا۔ حضرت فاطمہؓ سے زیادہ تعلق کی ایک وجہ حضرت علیؓ بھی تھے کیونکہ حضرت علیؓ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور اخلاص میں بھی بہت بڑھ چڑھ کر تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ سے ایسا کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کو یہ بات بہت محسوس ہوئی اور دونوں بہنوں میں بھی کشیدگی پیدا ہوگئی۔ پھر یہ بھی اتفاق ہوا کہ حضرت علیؓ نے رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں کئی جنگوں میں بنی عبدالشمس کے بے شمار لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اس سے دشمنی اور بھی بڑھ گئی۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد چند نفوس پر مشتمل ایک جماعت حضرت علیؓ کے پاس آئی جن میں حضرت عثمانؓ نہ تھے۔ آپ فاطمہؓ کے گھر ان لوگوں کے ساتھ بھی نہ آئے۔ جنہوں نے خلافت کی بیعت نہ کی تھی۔ حضرت علیؓ کو خلافت کی خواہش تھی لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کا اظہار آپ کے لئے ممکن نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب چھ آدمیوں پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؓ کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا تو اس وقت حضرت علیؓ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے اور جو کچھ آپ کے دل میں پوشیدہ تھا وہ ظاہر کر دیا۔

ان دونوں کے درمیان اختلافات بڑھتے ہی چلے گئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ حضرت علیؓ نے جب بھی آپ کو ٹوکا بجا طور پر ٹوکا اور کسی کام سے آپ کو منع نہیں کیا جب تک وہ کام شریعت کی رو سے منع کیے جانے کے قابل نہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ اپنی ذات سے بہت کمزور اور ضعیف تھے۔ آپ نے تمام کاروبار سلطنت مروان کے سپرد کر دیا وہ آپ کو جس طرف چاہتا پھیر دیتا۔ دراصل خلافت پر قابض وہی تھا صرف نام حضرت عثمانؓ کا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کیے ہوئے وعدہ کو پس پشت ڈال دیا تو حضرت علیؓ کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے بعد میں معذرت چاہی بھی لیکن اس وقت اس کا کوئی فائدہ نہ تھا اور معاملہ اتنا بگڑ گیا تھا کہ پھر کسی کے بنائے نہ بن سکا۔ (1)

---

(1) یہ محض ایک شخص کی ذاتی رائے ہے انہی واہی تباہی خیالات کے عکس جو عوام کالانعام کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے اور حضرت عثمانؓ کے بدترین مخالفوں اور مفسدین امت کے پھیلائے ہوئے تھے۔ نہ ان میں سے کوئی بات سچ ہے نہ الزامات کا کوئی سر پیر ہے۔ بازار میں بیٹھ کر جو باتیں محمد بن سلیمان نے سنیں اپنی طرف سے نمک مرچ لگا کر انہی کو جعفر سے روایت کر دیا۔ ایسی حالت میں اس کے بیان کی کیا وقعت ہو سکتی ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو مذکورہ بیان سے صاف ہو رہا ہے کہ یہ نظریات کافی حد تک ایک منافق کے نظریات سے مشابہ ہیں۔ کیونکہ اس شخص نے در پردہ خود حضور ﷺ پر زبان طعن دراز کی ہے۔ (العیاذ باللہ) (ہاشمی)

جعفر کہتے ہیں میں نے محمد بن سلیمان سے کہا: ''کیا آپ کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ حضرت ...انؓ کے عہد میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد کی نسبت زیادہ تکلیفیں اٹھائیں؟''

محمد بن سلیمان نے کہا:

''یہ کس طرح ہوسکتا ہے حضرت عثمانؓ تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مقابلے میں کوئی چیز ...نہیں تھے۔ اگر وہ دونوں نہ ہو چکے ہوتے تو حضرت عثمانؓ کو خلافت کسی صورت میں بھی نہ مل سکتی۔ ...ضرت عثمانؓ کو بھی پہلے خلافت کی خواہش نہ تھی' نہ ان کے ذہن میں پہلے کبھی یہ بات آئی تھی لیکن ایک ...ر کی وجہ سے حضرت عثمانؓ ان کے مقابلے میں اقتدار حاصل کرنے کے خواہشمند تھے وہ یہ کہ دونوں بنی ...بد مناف سے تھے اور یہ فطری بات ہے کہ انسان اپنے دور کے رشتہ دار کے مقابلہ میں اپنے قریبی رشتہ ...ار سے اقتدار حاصل کرنے میں زیادہ مقابلہ کرتا ہے۔''

جعفر کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سلیمان سے پوچھا:

''اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ خلافت چھوڑ دیتے اور قتل نہ کیے ...جاتے تو حضرت علیؓ آسانی کے ساتھ خلافت کا کام سرانجام دے سکتے تھے۔ اگر حضرت عثمانؓ کے معزول ...ہونے کے بعد حضرت علیؓ کی بیعت کی جاتی؟''

انہوں نے کہا:

''نہیں! یہ کس طرح ہوسکتا تھا بلکہ حضرت عثمانؓ کے زندہ ہونے کی صورت میں معاملات اور بھی زیادہ بگڑ جاتے کیونکہ حضرت عثمانؓ کو ہر دم اس بات کی امید ہوتی کہ کبھی نہ کبھی خلافت پھر ان کے پاس آ جائے گی اور وہ ہمہ وقت اس امر کے لئے کوشاں رہتے۔ اگر وہ قید میں ہوتے تو معاملات انتہائی نازک صورت اختیار کر لیتے کیونکہ آپ کے حمایتی برابر آپ کا نام لے کر لوگوں کو بھڑکاتے رہتے اگر قید میں نہ ہوتے' آزاد رہتے تو وہ اس بات کا خوب پروپیگنڈا کرتے کہ میں مظلوم ہوں اور مجھ سے بالجبر خلافت چھین لی گئی ہے۔ اس طرح لوگ پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر حضرت علیؓ کے خلاف مجتمع ہو جاتے اور فتنہ شدت اختیار کر لیتا۔''

جعفر نے ان سے پھر پوچھا:

''آپ کا امامت کے بارہ میں کیا خیال ہے اور اس کے اصل اور منبع کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے؟''

وہ کہنے لگے:

''میں اس کی اصل کے متعلق صرف دو (۲) باتیں جانتا ہوں۔ ایک یہ کہ رسول کریم ﷺ

نے امامت کے سلسلہ میں کوئی تصریح نہیں فرمائی اور نہ کسی شخص کا اس معاملہ میں نام ہی لیا بلکہ اس کو مبہم رکھا اور رمز و کنایہ میں ایسی باتیں کیں جن سے کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہوتی تھی اور حضرت علیؓ ان کو پیش کر کے اپنا حق کسی طرح بھی نہیں منوا سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؓ نے سقیفہ والے دن اپنے لئے کوئی نص صریح موجود نہ ہونے کی بناء پر کسی قسم کا جھگڑا نہ کیا بلکہ خاموش ہو رہے۔ بادشاہ جب اپنی اولاد میں سے کسی کو اپنا جانشین بناتے ہیں تو فرمان جاری کر کے اور منبروں پر خطبے پڑھ کر اس امر کا بڑے واضح الفاظ میں اعلان کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے اس ارادہ سے مملکت کا بچہ بچہ واقف ہو جائے۔ تا کہ بعد میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو سکے۔ خلافت کا معاملہ ایسا آسان اور چھوٹا سا معاملہ نہیں تھا جو اس طرح اشتباہ میں رہتا۔ شاید رسول کریم ﷺ کی اس معاملہ کو اس طرح مبہم رکھنے میں یہ مصلحت ہو کر کہیں منافقین کی طرف سے شور و غوغا اور فساد برپا نہ ہو (1) کہ نبوت کا ہے کو ہوئی بادشاہت ہو گئی۔

جسے نبی نے اپنے بعد اپنی اولاد اور خاندان کو سونپ دیا ہے۔ چونکہ آپ کی اولاد میں سے بوجہ صغر سنی کے کوئی حکومت سنبھالنے کے اہل نہیں اس لئے حکومت کی ذمہ داری حضرت علیؓ کے سر ڈال دی ہے لیکن درحقیقت یہ حضرت فاطمہؓ کے لئے جو آپ کی بیٹی ہیں اور ان کی اولاد کے لئے ہے۔ پس حقیقتاً بات یہ ہے کہ آپ نے محض اشاروں اور کنایوں میں اپنے بعد اپنے جانشین کا ذکر کیا مثلاً حضرت علیؓ کو کہا:

ا: انت منی بمنزلة هارون من موسٰی
(تو مجھ سے وہی درجہ رکھتا ہے جو موسٰیؑ کے بعد ہارون کا تھا)

---

(1) جو بد بخت رسول اللہ ﷺ پر یہ ناپاک الزام لگائے کہ معاذ اللہ حضورؐ نے منافقین کے ڈر سے امر خلافت کو مبہم رکھا کیا وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی رائے کی کوئی قدر کی جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتا ہے:

یاایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته (مائده ع ا)
(یعنی اے رسول! جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اتارا ہے وہ تو لوگوں تک پہنچا دے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے پیغام رسالت پہنچانے کا فرض ادا نہ کیا)

لیکن اس آیت کی موجودگی میں یہ شخص نہایت بے تکلفی سے کہہ دیتا کہ رسول کریم ﷺ نے خلافت علیؓ کو منافقوں کے ڈر سے مبہم رکھا انا للہ وانا الیہ راجعون محمد بن سلیمان کی یہ رائے نہ صرف اس کی بدظنی پر دلالت کرتی ہے بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے باہمی تعلقات کے بارے میں جن آراء کا اظہار کیا ہے کہ اس قابل بھی نہیں کہ اس پر غور کیا جائے۔ (مترجم)

۲. من کنت مولاہ فعلی مولاہ
(جس کا میں دوست ہوں علیؓ بھی اس کا دوست ہے)

۳. لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار
(حضرت علیؓ کے مانند کوئی نوجوان نہیں اور ذوالفقار سے بہتر کوئی تلوار نہیں)

لیکن ان اشاروں کنایوں سے کوئی واضح بات معلوم نہیں ہوتی جس کی بناء پر حضرت علیؓ اپنا حق خلافت پر قائم کر سکتے اور اپنے مدمقابل کو خاموش کر سکتے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مشورہ کے لئے کچھ آدمیوں کی ایک کمیٹی قائم کی لیکن خلافت کے لئے کسی ایک آدمی کی تخصیص نہیں کی۔ اس لئے اس کمیٹی کا ہر ممبر یہی خیال کرنے لگا کہ وہی خلافت کے لئے موزوں ہے اور ملک و سلطنت کا انتظام کرنے کا وہی حقدار ہے۔ یہی خیالات ان کے دل و دماغ میں چکر لگانے لگے اور اسی وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان مخالفت پیدا ہو گئی جو حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوئی۔ (1)

آپ کی شہادت کا بڑا سبب حضرت طلحہؓ کی مخالفت تھی ان کو یہی خیال تھا کہ حضرت عمرؓ کے بعد کئی وجوہات کی بناء پر خلافت انہی کا حق ہے۔ ایک یہ کہ وہ سابقون الاولون میں سے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت ابوبکرؓ کی اس زمانہ کے لوگوں میں بہت بڑی عزت اور قدر و منزلت تھی۔ تیسرے یہ کہ وہ بہت سخی تھے وہ خود حضرت عمرؓ سے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جھگڑے تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے بعد کاروبار خلافت انہی کو تفویض کر دیں۔ جب حضرت عثمانؓ تخت خلافت پر متمکن ہو گئے تو ان کے دل میں ان کے خلاف کدورت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اہل مدینہ بدوؤں اور ان فسادیوں کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور انہیں شہ دینے لگے۔ اس کام میں حضرت زبیرؓ نے بھی ان کی مدد کی۔ وہ بھی اپنے لئے خلافت چاہتے تھے۔ خلافت حاصل کرنے کا زیادہ موقعہ انہی دونوں کو تھا۔ حضرت علیؓ کو اتنا نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت علیؓ کی طاقت کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے پاش پاش کر دیا تھا۔ (2) اور لوگ ان کو بالکل بھلا بیٹھے تھے جن لوگوں کو

---

(1) ہم پہلے بھی کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ جلیل المرتبت صحابہ کرامؓ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ خود خلافت کے خواہشمند تھے اور اپنے آپ کو اس کیلئے موزوں سمجھتے تھے صرف ایسے ہی شخص کیلئے موزوں ہو سکتا ہے جسے عقل و خرد سے حصہ نہ ملا ہو یا جسے واقعات تاریخی کا صحیح علم نہ ہو اور یا پھر اسے صحابہؓ سے للہی بغض ہو مگر واقعات کی موجودگی میں کوئی صحیح الدماغ انسان ایسے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا۔

(2) یہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی دیانت و امانت اور للہیت پر مصنف کا کھلا حملہ ہے اور وہ بھی بلا دلیل۔

ان کے اصلی جوہر اور خصائص کا پتا تھا وہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ہی وفات پا چکے تھے اور آپؐ کے بعد حضرت علیؓ کا پالا ایسے لوگوں سے پڑا تھا جن کو آپ کی حقیقی قدر و منزلت کا پتا نہ تھا۔ وہ صرف یہ جانتے تھے کہ آپ رسول کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپؐ کے داماد ہیں۔ مزید برآں ان کو قریش کی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ قریش کی مخالفت سے سوائے آپ کے اور کسی کو بھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ قریش کو جتنا بغض آپ سے تھا اتنا ہی تعلق حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے تھا۔ یہ دونوں حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں قریش سے بہت خلا ملا رکھتے تھے اور انعام و اکرام کے وعدہ سے ان کو پھسلاتے رہتے تھے۔ خود اپنے اور لوگوں کے خیال میں دراصل یہی دونوں خلیفہ تھے اگرچہ ظاہری طور پر ان کو خلافت حاصل نہ تھی۔

جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو حضرت طلحہؓ نے خلافت پر قابض ہو جانا چاہا اور اگر اشتر اور اس کے ساتھ یہ مفسدین نہ ہوتے تو حضرت علیؓ خلافت حاصل نہ کر سکتے۔ جب طلحہ اور زبیر خلافت پر قابض نہ ہو سکے تو انہوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ مقابلہ کی ٹھانی۔ حضرت عائشہؓ کو اپنے ساتھ ملایا (1) اور عراق کا قصد کیا جہاں ان کے مددگار موجود تھے وہاں انہوں نے فتنہ کو ہوا دی جس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور دوسری لڑائیاں ہوئیں۔

اس اختلاف کے متعلق جو حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہوا اور جو آپ کے بعد اٹھا' یہ ایک بڑے آدمی (2) کی رائے ہے جس کو ہم نے اس لئے بیان کیا ہے کہ ہم قارئین کو تفرقہ اور فتنہ کے کچھ اسباب اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان اختلاف و خصومت کے کچھ پہلو دکھا سکیں جس نے مسلمانوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے افتراق و انشقاق کا بیج بو دیا اور ان کے مختلف گروہوں کے درمیان اختلاف کی ایک ایسی گہری خلیج حائل ہو گئی جو آج تک نہ پاٹی جا سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف کبھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا اور نہ لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ خود حضرت عثمانؓ نے بھی آپ پر اس قسم کا کبھی کوئی الزام نہیں لگایا اور ان باتوں میں سے کبھی کوئی بات آپ کی طرف منسوب نہیں کی۔ حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ سے ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ نے سلطنت کا تمام کام بنی امیہ کے سپرد کر دیا تھا اور انہی کو مناصب اور اعلیٰ مراتب سے نوازا تھا۔ ہم پچھلی فصلوں میں ان تمام باتوں کا ذکر کر چکے ہیں اور بتا چکے

---

(1) مذکورہ بالا تمام بیانات خالص مفسدانہ نظریات پر مبنی ہیں اور ان میں جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں وہ قطعاً غلط اور بے سند و بے اصل ہیں۔

(2) تعجب ہے کہ مصنف محمد بن سلیمان جیسے شخص کو بڑا آدمی سمجھتا ہے جسے نہ مزاج نبوت کی شناخت ہے نہ مقام صحابہ کی۔ محمد بن سلیمان کے قول کو مستند قول سمجھ کر پیش کرنا تنقیدی نظر کے فقدان پر دلالت کرتا ہے۔ (ہاشمی)

ہیں کہ کس طرح حضرت عثمانؓ ان لوگوں پر بھروسا اور اعتبار کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ اگر چاہتے تو دوسرے مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ مل سکتے تھے جو بنی امیہ کے لوگوں سے زیادہ ولایات کے حقدار تھے اور عطیات واموال حاصل کرنے کے بھی۔

جو لوگ کتب سیر واخبار خصوصاً ابن حدید کی شرح نہج البلاغہ کا مطالعہ کریں ان کو پتا چلے گا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا یہ اختلاف فتنہ یا بغاوت سے متعلق نہیں تھا اور حضرت علیؓ پر فتنہ پھیلانے اور فسادیوں کی مدد کرنے کا الزام کسی صورت میں عائد نہیں ہوسکتا۔ حضرت علیؓ نے جو روش اس موقعہ پر اختیار کی تھی وہ یہ تھی کہ آپ اس معاملہ سے بالکل علیحدہ اور خانہ نشین ہو گئے تھے اور کسی سے کوئی تعلق باقی نہ رکھا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو کئی مفید مشورے دیے۔۔۔۔۔۔اور باوجود وعدوں کے ان باتوں کی اصلاح نہ کی جن کی اصلاح کرنے کا آپ نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے صلاح کار حضرت عثمانؓ کو وہ باتیں قبول کرنے سے روکتے ہیں جو یہ فسادی چاہتے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اصلاح حال کی جو ذمہ داریاں حضرت عثمانؓ پر عائد ہوتی تھیں ان کو پورا کرنے میں روک بنتے ہیں تو اس سے وہ دل برداشتہ ہو گئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو آئندہ کوئی مشورہ دینا بالکل چھوڑ دیا۔(1)

جب ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے واسطے خلافت چاہتے تھے اور اس امر میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے تو ہمارا مطلب اس سے یہ ہے کہ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے عہد میں آپ کو خلافت کی خواہش تھی لیکن آپ نے شیخین کے عہد میں جمہور مسلمانوں کے اجماع کے خلاف کوئی بات نہیں کی اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اس کو بلا چون وچرا تسلیم کر لیا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی آپ کے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی کوشش نہیں کی اور اس کے لئے آواز نہیں اٹھائی اگرچہ ان کا خیال یہی تھا کہ وہ خلافت کے لئے حضرت عثمانؓ سے زیادہ حقدار ہیں۔ جب حضرت عثمانؓ کے آخر عہد میں فتنہ وفساد اور بغاوت پھوٹی اور جب آپ نے یہ دیکھا کہ بنو امیہ اور خصوصاً مروان ابن الحکم نے حضرت عثمانؓ پر پورا تسلط پا لیا ہے وہ ان کی رائے کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے اور صرف انہی کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں تو دل برداشتہ ہو کر علیحدگی اختیار کر لی۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے اسباب پر بحث کرتے ہیں وہ اس سے انکار نہیں کرتے کہ آپ کی شہادت کا سب سے بڑا سبب آپ کا اپنے ناعاقبت اندیش صلاح کاروں کے اشاروں پر چلنا اور ان کی باتوں اور مشوروں کو قبول کرنا تھا۔ ان کا سردار

(1) قطعاً بے بنیاد بات ہے۔

مروان بن الحکم تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی شخص تھا جس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو جام شہادت پینا پڑا۔

زبیر بن بکار حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں:

''میں نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں اپنے والد سے کبھی کچھ نہیں سنا۔ نہ وہ آپ پر کوئی تہمت لگاتے تھے نہ آپ پر لگائے ہوئے اعتراضات کا رد کرتے تھے میں نے بھی اس ڈر سے کہ کہیں کوئی ناگوار طبع بات نہ ہو جائے ان سے اس بارہ میں کچھ نہ پوچھا۔''

ایک دفعہ ہم رات کو بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ آ گئے اور ہمارے ساتھ کچھ کھانا بھی کھایا۔ کھانے کے بعد انہوں نے میرے والد سے حضرت علیؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔

حضرت عباسؓ نے کہا آپ کے متعلق صرف علیؓ ہی اکیلے نہیں کہتے بلکہ دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں۔ آپ لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں اور لوگ آپ پر تہمت لگاتے ہیں۔ آپ ان کے بدخواہ ہیں وہ آپ کے۔ پس جو کچھ آپ ان سے کرتے ہیں وہی آپ سے کرتے ہیں پھر گلہ کس بات کا؟''

اس پر حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا کہ:

''آپ اس معاملہ میں پڑ کر میرے اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دیں۔''

عباس نے کہا:

''کیا میں یہ بات لوگوں کو آپ کی طرف سے کہہ دوں؟''

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

''ہاں بے شک کہہ دیں۔''

یہ کہہ کر وہ لوٹنے لگے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد پھر واپس آئے اور کہنے لگے۔

''ابھی لوگوں سے اس کا تذکرہ نہ کریں۔''

ہم نے دروازہ پر جو نظر کی تو مروان بن الحکم دروازہ میں بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا اور وہی تھا جس نے ان کو ان کی پہلی رائے سے پھیر دیا تھا۔

ابوالعباس المبرد اپنی کتاب ''کامل''(1) میں حضرت علیؓ کے غلام ''قنبر'' سے روایت کرتے ہیں۔

(1) اس جگہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ کتاب ''کامل'' کوئی باقاعدہ تاریخی کتاب نہیں بلکہ ایک بلند پایہ ادبی کتاب ہے جس میں بعض تاریخی واقعات بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایک اہم معاملہ کے متعلق کسی ادبی کتاب میں درج کی ہوئی رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ (مترجم)

''میں حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پاس گیا۔ان دونوں نے چاہا کہ تنہائی میں کچھ باتیں کریں۔حضرت علیؓ نے میری طرف اشارہ کیا اور میں وہاں سے کچھ دور چلا گیا۔میں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ پر ناراض ہو رہے تھے اور حضرت علیؓ سر جھکائے بیٹھے تھے۔حضرت عثمانؓ نے کہا:

''آخر آپ بولتے کیوں نہیں؟''

حضرت علیؓ کہنے لگے کہ:

''اگر میں کچھ کہوں گا تو آپ کو برا لگے گا۔میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ سے کچھ باتیں کروں تو وہ آپ کی ناراضی کا موجب نہ ہوں بلکہ ایسی باتیں ہوں جن کو آپ پسند کرتے ہوں۔''

ابوالعباس کہتے ہیں:

''اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے بھی آپ کے ساتھ اتنی ہی زیادتی کی ہے جتنی آپ نے مجھ پر کی تو اس صورت میں آپ مجھ پر ناراض ہوں گے اور میں یہ نہیں چاہتا' کیونکہ مجھے آپ کی ناراضی اور عتاب منظور نہیں۔''

واقدی کتاب الشوریٰ میں ابن عباس سے روایت کرتا ہے:

''ایک دن حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ پر ناراض ہو رہے تھے۔میں بھی وہیں تھا۔وہ حضرت علیؓ سے کہہ رہے تھے کہ آپ نے فتنہ وتفرقہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔حالانکہ آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اسی طرح اطاعت کیا کرتے تھے جس طرح رسول کریم ﷺ کی کرتے تھے۔میں ان دونوں سے الگ نہیں ہوں۔اگر آپ رسول اللہ ﷺ کے داماد ہیں تو میں بھی آپ ﷺ کا داماد ہوں اور اس بناء پر کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی دو بیٹیاں میرے ساتھ بیاہی تھیں میں آپ سے زیادہ بلند مرتبہ رکھتا ہوں۔اگر آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ خلافت رسول کریم ﷺ نے آپ ہی کے واسطے مخصوص کر دی تھی جیسا کہ آپ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس بات کو پیش کیا تھا تو پھر آپ نے شیخینؓ کی بیعت کیوں کر لی تھی؟ اگر وہ دونوں اس مرتبہ کے لائق نہیں تھے تو آپ نے ان کی اطاعت کا جوا اپنے کندھوں پر کیوں رکھ لیا تھا۔اگر وہ اس مرتبہ کے لائق تھے تو میں ان دونوں سے دین میں حسب میں اور قرابت رسولؐ میں کسی طرح سے کم نہیں ہوں پھر آپ میرے ساتھ ویسا ہی سلوک کیوں نہیں کرتے جیسا ان دونوں کے ساتھ کرتے تھے؟''

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

''پہلی بات یہ ہے کہ اگر میں تفرقہ کا دروازہ کھول رہا ہوں اور اس کے لئے راہ صاف کر رہا

ہوں تو اس امر سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں لیکن میں آپ کو اس بات سے روکتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ روکتا ہے اور آپ کو ہدایت کی طرف راہ دکھاتا ہوں۔ باقی رہا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا معاملہ تو اگر انہوں نے وہ کچھ لے لیا جو رسول کریم ﷺ نے میرے واسطے مقرر کیا تھا تو اس کا آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو بھی پتا ہوگا۔ مجھے تو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے اس معاملہ کو طول ہی نہیں دیا۔ اگر وہ میرا حق نہیں تھا بلکہ مسلمان ہی مل کر خلافت کا فیصلہ کرنے والے تھے تو معاملہ بالکل صاف ہے لیکن اگر وہ میرا حق تھا اور دوسروں کا نہیں تھا تو میں نے صدق دلی اور خوشی سے وہ انہی کو عطا کر دیا اور ملت کی اصلاح چاہنے کے لئے میں نے خلافت پر اصرار کرنا پسند نہیں کیا۔ باقی رہا میرے آپ کے اور ان دونوں کے درمیان برابری کا معاملہ تو آپ ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ان کے سپرد ملک و ملت کا انتظام کیا گیا تھا اور انہوں نے اس کو بہت خوش اسلوبی سے چلایا اور اپنی ذات کے لئے کوئی نفع بھی حاصل نہ کیا۔ لیکن آپ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آپ کی عمر تھوڑی رہ گئی ہے کب تک آپ زندہ رہیں گے آخر ایک دن خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ بنی امیہ کے لوگوں کی عزتیں اور مال و دولت لوٹنے سے روکئے۔ خدا کی قسم! اگر آپ کے عمال میں سے کوئی عامل کسی پر ظلم کرتا ہے تو اس کے گناہ میں آپ بھی اس کے برابر کے شریک ہیں۔''

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

''آپ کی مرضی! آپ کا یہی خیال ہے تو میرے عمال میں سے جس جس کو آپ اور دوسرے مسلمان ناپسند کرتے ہیں اس کو معزول کر دیجئے۔''

جب حضرت علیؓ چلے گئے تو مروان بن الحکم نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا:

''لوگ آپ پر زیادتی کریں گے آپ ان میں سے کسی کو معزول نہ کیجئے۔''

ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اگرچہ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے اور آپ کی سیاست کو بالکل پسند نہ کرتے تھے لیکن آپ فتنہ کے حق میں نہ تھے آپ نے نہ اس کی کوشش کی اور نہ کبھی اس کے متعلق کوئی اشارہ کیا۔ مفسدین میں سے جو لوگ آپ کی تائید اور مدد حاصل کرنے آپ کے پاس آتے تھے آپ ان سے بہت سختی اور شدت سے پیش آتے تھے اور ان کو مایوس لوٹا دیتے تھے آپ نے کئی مرتبہ اس بات کی کوشش کی کہ حضرت عثمانؓ کو فتنہ فرو کرنے اور مفسدین کو ان کے شہروں میں لوٹانے کے لئے ان کے کچھ مطالبات مان لینے میں کچھ تامل نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن حضرت عثمانؓ ان سے وعدہ کرتے تھے کہ وہ انہی کے کہنے پر عمل کریں گے اور جن جن عمال کو وہ ہٹانا چاہیں گے ہٹا دیں گے اور مروان اور اس کے بھائی بند آپ کو اس وعدہ سے منحرف کروا دیتے تھے۔ اس طرح حضرت علیؓ کی عزت

پر حرف آتا تھا اور آپ کو اس بات کا سخت رنج ہوتا تھا کہ حضرت عثمانؓ ان کی رائے کو مروان کی رائے کے مقابلہ میں بے وقعت سمجھتے ہیں۔

ایک اور چیز بھی ہے اور وہ یہ کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے بھی کبھی حضرت علیؓ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ وہ فتنہ کی تائید کر رہے ہیں اور ان کے خلاف لوگوں کو بھڑکا رہے ہیں۔ وہ حضرت علیؓ پر صرف یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ ان کی تائید میں بہت ہی سستی سے کام لے رہے ہیں۔ ادھر حضرت علیؓ کا جواب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ ان کی نصیحت کو نہیں سنتے۔ وہ ان سے وعدہ کرتے ہیں اور زبان دیتے ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو اس سے انکار کر دیتے ہیں اور اپنے وعدے سے منکر ہو جاتے ہیں۔ (1) جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مفسدین حضرت علیؓ پر الزام لگاتے اور تہمت دھرتے ہیں کہ وہ بھی امیر المومنین کے شریک ہیں۔ اس چیز سے حضرت علیؓ ڈرتے تھے کہ کہیں ان کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ انہوں نے وعدہ کیا لیکن ایفا نہ کیا۔ زبان دی لیکن اس سے پھر گئے۔

(۲۵)

کیا حضرت عثمانؓ غلطی پر تھے؟

کتب سیر کے قدیم مولفین نے اس بحث میں بڑا اختلاف کیا ہے۔ بعض نے حضرت عثمانؓ پر تنقید کی ہے اور بعض نے ان کو غلطیوں سے مبرا قرار دیا ہے اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے سرے سے ان کی ساری سیاست سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور ان کی کمزوری، نرمی اور رقیق القلبی کو اس فتنہ کا باعث ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ ہی تھے جنہوں نے اسلام کے لئے وہ حالات پیدا کر دیئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو مسلمان ہلاکت کے گڑھے میں گر کر ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو جاتے۔ لیکن بعد کے مصنفین میں سے اکثر نے حضرت عثمانؓ کا دفاع کیا اور جو کمزوریاں ان سے صادر ہوئی تھیں ان کے لئے عذر تلاش کیے ہیں۔ ہم نے بھی جہاں تک ممکن ہوا یہی راستہ اپنے لئے منتخب کیا۔ (2)

---

(1) مندرجہ بالا اعتراضات کی حقیقت حضرت عثمانؓ پر بے بنیاد اتہام سے قطعاً زیادہ نہیں۔ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور خلیفہ رسول کے متعلق وعدہ خلافی کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (مترجم)

(2) صحیح اور درست اور ٹھیک راستہ یہی ہے کہ جو غلط، بیہودہ اور نامعقول اعتراضات، مخالف، مفسد اور فتنہ انگیز لوگوں نے حضرت خلیفہ ثالث پر لگائے ان کا دلائل اور براہین سے رد اور دفعیہ کیا جائے اور ان کو ہرگز قبول نہ کیا جائے۔

مرتضیٰ جو متقدمین علماء اسلام میں سے ہے حضرت عثمانؓ کی سیاسی غلطیوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''وہ شخص جو حضرت عثمانؓ کو بری الذمہ قرار دیتا ہے اس کی اس بات میں کوئی وزن نہیں حضرت عثمانؓ کو اپنے ان فاسق عمال کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا جن کو آپ نے مختلف ولایات میں مقرر کیا تھا۔ اس لئے آپ پر اس بارہ میں کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ نے بیخبری میں ایسا یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ جن جن ایسے فاسق لوگوں کو آپ نے والی مقرر کیا وہ پہلے ہی بے حیا بدکاری اور دین سے استہزا کرنے میں مشہور تھے۔ اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ ولید عبقہ کے شراب پینے اور دین کے ساتھ استہزا کرنے کا الزام کوفہ کا والی ہونے کے بعد نہیں لگایا گیا پہلے ہی اس کی تمام عادات وخصائل عام لوگوں میں مشہور تھیں تو حضرت عثمانؓ سے جو اس کے بہت قریبی رشتہ دار تھے وہ کس طرح مخفی ہوسکتی تھیں۔

کوفہ میں اس کا شراب پینا' اور نشہ میں مدہوش ہو جانا' لوگوں کا وہاں آ جانا اور اسکے ہاتھ بے خبری میں انگوٹھی اتار لینا کوئی راز نہیں ہے لیکن جب لوگ یہ شکایت لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس جاتے ہیں تو حضرت عثمانؓ اس کو اس وقت تک کوڑے لگانے اور معزول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں جب تک پورا مقدمہ ان کے سامنے پیش نہ ہو۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں بیان دیں جرح ہو اور پھر فیصلہ جائے۔ (1) اگر حضرت علیؓ آپ پر سخت زور نہ دیتے تو آپ کبھی اس کو معزول نہ کرتے۔''

'پھر لوگ صرف اس وجہ سے حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے کہ آپ نے اپنے اقارب کو محض اقارب ہونے کی بناء پر مختلف علاقوں کی تولیت سپرد کر دی بلکہ اس وجہ سے ناراض تھے کہ وہ عامل عامۃ المسلمین پر مختلف شکوک وشبہات کا اظہار کرتے تھے اور قسم قسم کی تہمتیں ان پر لگاتے تھے اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے عزیز واقارب کو کوئی عہدہ دینے سے ڈرتے تھے۔''

سعید بن العاص نے کوفہ میں کہا:

''سواد قریش کا باغ ہے اور ان کو یہ حق ہے کہ وہ اس میں سے جتنا چاہیں پھل لے لیں جتنا چاہیں چھوڑ دیں۔''

(1) یہ امر حیرت انگیز ہے کہ اس معاملہ میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ کیا بغیر تحقیقات کسی شخص پر حد قائم کرنا اور اسے ولایت سے معزول کر دینا انصاف کہلایا جا سکتا ہے؟ (مترجم)

اس پر لوگوں نے کہا:

''وہ چیز جو خدا نے ہمیں دی ہے اس پر آپ اپنا اور اپنی قوم کا قبضہ کس طرح جما سکتے ہیں؟''

جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ کوفہ والوں نے سعید کو مدینہ سے آتے ہوئے کوفہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ لوگوں کی حضرت عثمانؓ سے بھی اس بارہ میں بڑی گرم گرم گفتگو ہوئی جس کے نتیجہ میں وہ ضرت عثمانؓ کو بھی تخت خلافت سے اتارنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے مجبور ہو کر وموسیٰ کو وہاں کا والی بنایا۔

حضرت عثمانؓ نے سعید کو اپنی مرضی سے ولایت سے علیحدہ نہیں کیا۔ وہ تو کبھی ایسا نہ کرتے۔ ہ اہل کوفہ نے اپنے زمرہ سے اس کو علیحدہ کرایا۔''

باقی رہا یہ امر کہ لوگوں نے ان پر عامل مصر کو خط لکھنے کا الزام لگایا لیکن انہوں نے اس سے کار کیا تو آپ کے واسطے ضروری تھا کہ اس تمام معاملہ کی تحقیقات کرتے اس قاصد کو طلب کرتے اور س سے تمام واقعہ کی تفصیل پوچھتے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرتے۔ پھر جب ان کو معلوم ہوا تھا کہ روان نے یہ کام کیا ہے اور اس نے بعض مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم صادر کیا تھا تو آپ کا فرض تھا کہ س کو قرار واقعی سزا دیتے اور آئندہ کے لئے اس کو اپنا قرب کسی طرح بھی نہ بخشتے۔'' (1)

یہ بھی غلط ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کا قتل ضروری ہی تھا تو یہ کسی صورت میں جائز نہیں تھا کہ عوام اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیتے۔ کیونکہ جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا وہ آپ کے قتل کے ارادہ سے ہرگز نہیں آئے تھے بلکہ اس امر کے ثابت ہونے کے بعد کہ آپ نے اپنے فرائض میں کوتاہی کی ہے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں۔ لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر لوگوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور آپ کو مجبور کرنے لگے کہ آپ خلافت چھوڑ دیں۔ آپ اپنے گھر میں مقیم ہو گئے۔ اور بنی امیہ کے اوباش آپ کے پاس جمع ہو کر آپ کی مدافعت کرنے لگے۔ (2) جو شخص آپ کے گھر کے قریب آنا چاہتا اس کو پتھر مارتے۔ اس پر

(1) خط کا واقعہ سراسر فرضی اور من گھڑت ہے۔ اس پر ہم پہلے بھی تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ نہ یہ خط مروان نے لکھا نہ ضرت عثمانؓ کا غلام اس خط کو لے کر گیا۔ اگر ایسا تھا تو باغی اس غلام کو لا کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کرتے اور عرض کرتے کہ اس سے پوچھئے۔

(2) نہ معلوم اس مورخ کے ذہن سے یہ بات کس طرح فراموش ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کی مدافعت کرنے میں حضرت علیؓ اور بڑے بڑے صحابہؓ کے لڑکے بھی شامل تھے۔ (مترجم)

بتدریج لڑائی دنگا' فساد اور بالآخر آپ کے قتل تک نوبت پہنچی۔ لیکن دراصل مقصود لڑائی اور قتل نہ تھا بلکہ معاملات نے آہستہ آہستہ یہ صورت اختیار کی یہ تو بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی ظالم کسی انسان کے مال و متاع پر قابض ہو جائے تو مغلوب کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مال کو بچانے کے لئے کچھ جدو جہد کرے۔ البتہ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال بچانے کے ساتھ ساتھ اس کو قتل بھی کر ڈالے۔ لیکن اگر بغیر قصد اور ارادہ کے معاملہ اس حد تک پہنچ جائے کہ مال کے ساتھ اس کی جان کو بھی خطرہ ہو تو اپنی جان بچانے کے لئے اگر اس غاصب کو قتل بھی کرنا پڑے تو مجبوراً اس کو یہی کرنا چاہیے جب حضرت عثمانؓ کی طرف سے محاصرین کے مطالبات کو ماننے میں دیر ہوئی تو انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر جلدی فیصلہ نہ کیا گیا تو حضرت عثمانؓ نے اپنی مدد کے لئے سلطنت کے مختلف حصوں میں جو خطوط لکھے تھے اور اس کے نتیجے میں جو فوجیں آپ کی مدد کے لئے آ رہی تھیں وہ مدینہ پہنچ جائیں گی اور قتل عام شروع ہو جائے گا۔ اس صورت میں زبردست فتنہ کا احتمال ہے اس لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا۔ (1)

''حکم ابن ابی العاص کو مدینہ واپس بلانے میں حضرت عثمانؓ نے رسول کریم ﷺ کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے اس کو طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی سفارش کی۔ لیکن آپؐ نے سفارش رد کر دی۔ رسول کریم ﷺ کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کو واپس بلانے کی سفارش کی لیکن آپ نے بھی اس کو رد کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے پھر اس کی سفارش کی اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا:

''رسول کریم ﷺ نے تو اس کو نکالا ہے اور آپ مجھے اس کے بلانے کو کہتے ہیں۔ آج کے بعد آپ اس کام کے لئے میرے پاس تشریف نہ لایئے گا۔''

جب حضرت عثمانؓ خود خلیفہ ہوئے تو آپ نے اس کو اور اس کے اہل و عیال کو واپس بلا لیا۔ کبار صحابہ کو یہ بہت ناگوار گزرا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس اس کی شکایت کی تو آپ نے کہا:

---

(1) ظاہر ہے کہ اس بیان کا مصنف حضرت عثمانؓ کا بہت ہی بڑا دشمن اور معاند ہے اور مفسدین کا نہایت معاون اور ہمدرد جس نے مفسدین پر سے فساد کی ساری ذمہ داری ہٹا کر حضرت عثمانؓ پر ڈالنی چاہی ہے اور وہ بھی بڑے مضحکہ خیز طریقہ سے۔ میں کہتا ہوں باغیوں کو کب یہ حق تھا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر یوں فتنہ برپا کرتے! پھر اس دوران میں جو نامعقول اور بیہودہ حرکات انہوں نے کی ہیں کیا کوئی شریف اور امن پسند انسان ایسی حرکات کر سکتا ہے؟! انہی حرکات سے ان کی شرافت کا پول کھل جاتا ہے۔ (مترجم)

''وہ میرا رشتہ دار ہے اور میں اب اس کو واپس نہیں کر سکتا۔''

اس پر وہ بہت ناراض ہوئے کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کو مدینہ واپس بلا لیا ہے جس کو خود رسول کریم ﷺ نے جلاوطن کیا تھا اور اس پر لعنت بھیجی تھی حتی کہ اس کا نام بھی مطرید رسول اللہ (رسول اللہ ﷺ کا دھتکارا ہوا) پڑ گیا تھا اور آپ نے اس کی عزت و تکریم کے ساتھ اس کو مال و دولت سے بھی نوازا ہے۔''

مرتضی نے اپنی تنقید میں حضرت عثمانؓ کے عمال میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا جس میں کیڑے نہ نکالے ہوں۔ اس میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو تین دن تک دفن نہیں کیا جا سکا۔ آخر تیسرے روز حکیم بن حزام قریشی اور جبیر بن مطعم نے اس بارہ میں حضرت علیؓ سے بات چیت کی۔ جب فسادیوں نے یہ سنا تو وہ راستہ میں پتھر لے کر بیٹھ گئے۔ آخر چند لوگوں کی مدد سے جن میں زبیرؓ حسنؓ ابوالجہم بن حذیفہ اور مروان تھے۔ حضرت عثمانؓ کے جنازہ کو رات کے وقت جنت البقیع سے باہر حش کوکب میں لایا گیا اور نماز جنازہ کے بعد آپ کے جسم کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ جب معاویہ کا زمانہ آیا تو یہ جگہ جنت البقیع میں شامل کر دی گئی اور انہوں نے حکم دیا کہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی قبر کے ارد گرد دفن کیا جائے۔

حضرت نائلہؓ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہؓ کو خط لکھا جس میں بیان کیا کہ کس طرح باغی حضرت عثمانؓ کے گھر مین داخل ہوئے اور کس طرح ان کو شہید کیا۔ محمد بن ابی بکر نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کا بھی سارا حال لکھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ کی پھٹی ہوئی خون آلود قمیص بھی بھیجی۔ اپنے بال بھی قمیض کے بٹنوں میں لگائے اور اپنی کٹی ہوئی انگلیاں بھی اسی کے ساتھ لٹکا دیں۔ یہ سب چیزیں انہوں نے نعمان بن بشیر انصاری کو دیں کہ وہ انہیں معاویہ کے حوالے کر دیں۔ نعمان شام جاتے ہوئے یزید بن اسید سے ملے جس کو حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے چار ہزار آدمی دے کر بھیجا تھا۔ انہوں نے ان کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سنائی جس کو سن کر یہ لوگ شام لوٹ گئے۔ ان کے ساتھ ہی نعمان بن بشیر بھی حضرت معاویہؓ کو یہ چیزیں حوالے کرنے شام چلے گئے۔

حضرت عثمانؓ خوب صورت' گندم گوں' چوڑے چکلے شانوں والے تھے۔ آپ کے سر پر گھنے بال تھے اور داڑھی بھرواں اور طویل تھی۔

باقی رہا ہمارا اس فتنہ کے بارہ میں موقف تو اس کے متعلق حضرت انسؓ بن مالکؓ سے زیادہ بے نظیر فقرہ اور کسی نے استعمال نہیں کیا۔ جب آپ سے کسی نے کہا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں

کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی تو آپ نے جواب دیا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو' خدا کی قسم ہمارے دل میں ان دونوں کی محبت مجتمع ہے۔''

اس جملہ پر ہم اس داستانِ غم کو ختم کرتے ہیں۔

(۲۷)

جائے عبرت

جب ہم متذکرہ بالا حالات پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں شرم وندامت سے نیچی ہو جاتی ہیں کہ مسلمانوں نے اس زمانہ میں فتوحات کو وسعت دینے' فتح وظفر کا سلسلہ جاری رکھنے' اسلام کو پھیلانے اور اپنی تہذیب کے نقوش ابھارنے کی بجائے اپنی قوتیں ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے اور فتنے برپا کرنے میں ضائع کر دیں۔ یہ دیکھ کر اور زیادہ افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ کے اسباب اب بھی اس طرح کارفرما ہیں۔

ہماری اور ہمارے اسلاف کی حالتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو چکا ہے۔ آج کے مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو قرون سابقہ کے مسلمانوں جیسا ہو۔ وہ اخلاق و اعمال میں بلند درجہ رکھتے تھے مگر ہم نہ اخلاق میں بہتر ہیں نہ اعمال میں۔ وہ دنیا بھر کے حاکم اور سردار تھے ہم جگہ جگہ دھکے کھاتے پھر رہے ہیں اور ساری دنیا کی نظروں میں ذلیل ہیں۔ ہمارے اسلاف نے ایک عظیم الشان حکومت قائم کر کے دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا تھا۔ ایک جہاں ہماری علمداری میں تھا۔ لیکن یہ علمداری اسی وقت تھی جب تک کہ عربوں اور مختلف قبائل اور خاندانوں میں کلی طور پر اتحاد و اتفاق تھا۔ اور جب یہ اتحاد و اتفاق' افتراق و انشقاق میں تبدیل ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ خود ہی تباہ ہوئے بلکہ اپنے ساتھ اس عظیم الشان اسلامی سلطنت اور اس جلیل القدر تہذیب و تمدن کو بھی مٹا کے رکھ دیا جس نے یورپ تک اپنی روشنی پھیلا دی تھی۔

عربوں کے افتراق کا یہ نتیجہ ہوا کہ زمین و آسمان بدل گئے۔ ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت سینکڑوں ٹکڑوں میں بٹ کر بالآخر خاتمہ کے قریب قریب پہنچ گئی اور فاتحین عالم کی اولاد اپنے ہی ملکوں اپنے ہی شہروں میں ذلیل و خوار بن کر رہ گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

ہم تو ان مظالم سے امن میں ہیں جن میں ہمارے دوسرے مسلمان بھائی مبتلا ہیں۔"

ان کو کیا پتا تھا کہ دوسرے شہروں میں ان کے بھائی ان کے کے لئے درد اور ترحم کے جذبات اپنے اندر رکھتے ہیں اور خود شکر کرتے ہیں کہ وہ ہر مصیبت اور ظلم سے محفوظ ہیں۔ غرض یہ کہ ان خطوط نے عامتہ المسلمین میں عمال کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر دیئے لیکن جو کچھ ان خطوط میں لکھا جاتا تھا اس میں کسی قسم کی سچائی نہ ہوتی تھی اور وہ سو فیصدی جھوٹ کا پلندا ہوتے تھے۔

وہ لوگ حضرت معاویہؓ میں کیڑے ڈالتے تھے حالانکہ انہیں حضرت عثمانؓ نے والی مقرر نہیں کیا تھا بلکہ ان کو رسول کریم ﷺ کے عہد سے ولایت ملتی چلی آئی تھی۔ رسول کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو ولایت سے نوازا۔ بہت ہی کم عمال ایسے ہیں جو حضرت عمرؓ کی ساری زندگی میں اپنے عہدہ پر قائم رہے ہوں۔ لیکن حضرت معاویہؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ سے لے کر آخر زمانہ تک والی بنے رہے۔ تمام ولایات میں سب سے زیادہ پر سکون اور سب سے زیادہ عدل سے بہرہ ور ولایت شام کی تھی۔ حضرت معاویہؓ پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ سوائے ابوذر والے اعتراض کے سب ایسے ہیں جو انتہائی لا یعنی اور فضول ہیں اور ان پر بحث کرنا محض وقت ضائع کرنا ہے۔ لیکن ابوذر والے معاملہ میں بھی اگر منصف مزاج شخص غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ حضرت ابوذر کا عمل اور آپ کی دعوت بالکل نا قابل عمل تھی بلکہ اس پر عمل کرنے سے ملت میں انشقاق و افتراق برپا ہو جاتا۔ لوگوں کو مجبور کیا جاتا کہ وہ تمام عیش و آرام پر لات مار کر فقیرانہ زندگی بسر کریں اور مال و دولت کو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ لوگ عبداللہ بن ابی سرح پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ ظالم تھا بلکہ اس وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اس کے قتل کا حکم دے دیا تھا کیونکہ وہ مرتد ہو کر کافروں سے جا ملا تھا۔ جو آپؐ سے برسر جنگ تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کی سفارش کی اور وہ خود بھی تائب ہو کر بحیثیت مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ آپؐ نے اس کو معاف کر دیا۔ اب سوچیے کہ جس کو رسول کریم ﷺ نے معاف فرمایا اور اس کے ساتھ ہی اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا تو پھر کس شخص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس پردہ کو ہٹانے کی کوشش کرے؟

عبداللہ بن سعد ہرگز ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھے جو رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہ لوگ ان پر الزام لگاتے ہیں جو اس وقت بچے تھے اور عبداللہ بن سعد سے عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ لوگ حضرت عثمانؓ پر ولید بن عقبہ کو والی بنانے کی وجہ سے الزام لگاتے ہیں حضرت عثمانؓ نے اس کو والی نہیں بنایا تھا بلکہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے ہی جزیرہ کا

والی تھا۔ حضرت عثمانؓ نے صرف یہ کیا تھا کہ اس کو جزیرہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا۔ جب وہ کوفہ میں آیا تو لوگوں کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی اور اس نے بہت اچھی طرح حکومت کی لیکن پھر اس پر شراب پینے کا الزام لگا کر شور و شغب برپا کر دیا گیا اور اس کے خلاف شہادت دی گئی۔ یہ خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ لوگ اپنی شہادت میں سچے تھے یا جھوٹے۔ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کے شہادت دینے کے بعد اس پر حد قائم کی اور اسے معزول کر دیا۔ ان واقعات کی روشنی میں معلوم نہیں لوگ خواہ مخواہ حضرت عثمانؓ کے خلاف کیوں شور برپا کرتے ہیں۔

مفسدین سعید بن العاص پر عیب لگاتے ہیں حالانکہ اہل کوفہ کو خود اس بات کا اعتراف تھا کہ سعید بہترین عامل، عادل اور منصف مزاج شخص تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان الزامات میں جو یہ لوگ عمال پر لگاتے تھے اور ظلم و جور کی ان داستانوں میں جو یہ مفسدین ہر چہار طرف پھیلاتے تھے کسی قسم کی سچائی نہیں تھی۔ ان کے پھیلانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں برا اثر پیدا کیا جائے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے۔ کیونکہ لوگ ان اقوال و الزامات کا بغیر کسی شک و شبہ کے قبول کر لیتے تھے اور ان کی تصدیق میں کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہ سمجھتے تھے کیونکہ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ ادلہ و براہین، عقلی حجتیں اور منطقی نتائج جماعتوں اور مجمعوں کو متاثر نہیں کرتے۔

اس فتنہ کے بڑھنے میں اصحاب الرائے اور بڑے بڑے لوگوں نے بہت مدد دی کیونکہ انہوں نے فتنہ کو بڑھنے سے پہلے نہیں روکا اور اس کے انسداد کی کوئی فکر نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ کے نائبین امراء ایسا کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے کیونکہ خلیفہ نے ان کے ہاتھوں کو اس ڈر سے پکڑا ہوا تھا کہ اگر سختی کی گئی تو فتنہ کا ایسا دروازہ کھل جائے گا جس کے متعلق آپ نے انتہائی کوشش کی تھی کہ وہ بند رہنے دیا جائے۔''

پروفیسر نجار کا یہ خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ کا بھی اس فتنہ میں کسی دوسرے سے کم حصہ نہ ہے۔ جب ان کو معلوم تھا کہ وہ بہت کمزور اور نرم طبیعت ہیں تو ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جاتے اور اپنے قتل سے امت کو ایک مصیبت عظمیٰ میں مبتلا نہ کرتے۔ (1)

(1) یہ لایعنی الزام لگاتے ہوئے نہ معلوم مصنفین کو وہ مشہور حدیث رسول ﷺ کیوں بھول جاتی ہے جس میں رسول ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے یہ فرمایا تھا کہ ''خدا تعالیٰ تمہیں ایک قمیض (خلافت) پہنائے گا تم اس کو مت اتارنا'' تو حضرت عثمانؓ کس طرح اس قمیض کو اتار کر حضور ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتے تھے۔ (مترجم)

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص ان حوادث کی تفصیل پڑھے جو حضرت عثمانؓ کے قتل سے پہلے رونما ہوئے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ قریش کے سر برآوردہ لوگوں کو ہر قسم کے الزامات سے بری قرار دے سکے۔ اگر چہ یہ بھی مشکل ہے کہ ان پر فسادیوں کے ساتھ کسی حقیقی عملی قدم اٹھانے کا الزام لگایا جاسکے۔ مگر وہ غفلت کے مجرم ضرور تھے۔ چنانچہ سب سے بڑا اعتراض جو ان پر آتا ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے میں انتہائی لاپروائی سے کام لیا اور آپ کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ استعمال کیے جو حضرت عثمانؓ جیسے انسان کے مرتبہ سے بعید تھے۔ ایسے الفاظ انتہائی نازک زمانہ میں فتنہ کے سرغنوں کے سامنے کہے گئے جن کو وہ لوگ اپنی بغاوت کی تائید اور اپنے اٹھائے ہوئے فساد کے جواز میں استعمال کرتے تھے۔''

مصنف اشہر مشاہیر الاسلام لکھتا ہے:

''بنی امیہ کو تمام معاملات حکومت سپرد کر دینا' انہی کو اپنا مشیر اور راز دار بنالینا ایک ایسا امر تھا جس نے مہاجرین کو بہت برانگیختہ کر دیا تھا اور دور اندیش لوگوں کو اس بات کا ڈر پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں حکومت اسلامیہ اموی رنگ میں نہ رنگ جائے۔ وہ کہتے تھے کہ حکومت ان لوگوں کا حق نہیں ہے بلکہ یہ تمام مسلمانوں کا اور خصوصاً سابقون الاولون اور مہاجرین کا حق ہے لیکن حضرت عثمانؓ نہ چاہتے تھے کہ اپنے رشتہ داروں کو ان کے عہدوں سے ہٹادیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے امت کے مطالبہ کا کوئی جواب نہ دیا۔ (یہ کہنا ظلم ہے کہ آپ نے امت کے مطالبہ کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اہل فتنہ کے مطالبوں کا کوئی جواب نہ دیا) اس اصرار کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں:

1۔ ان کی قوم (بنو امیہ اور ان کے رشتہ داروں) نے ان کو کمزور پا کر ان پر غلبہ حاصل کرلیا۔

2۔ حضرت عثمانؓ کو یہ ڈر ہوا کہ اگر وہ اپنی قوم سے الگ رہے اور اپنے اہل و عیال اور خاندان سے علیحدگی اختیار کرلی اور عمال نے آپ کے خلاف بغاوت کردی تو ان کے خاندان کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو باغیوں کے مقابلہ میں آپ کی طرف سے کھڑا ہوسکے۔ اس وجہ سے آپ نے اپنے رشتہ داروں کو ہی ہر معاملہ میں ترجیح دی اور مختلف علاقوں پر انہی کو والی اور حاکم بنایا۔ جب اس طرز عمل کے خلاف شور وغل برپا ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی اور لوگوں نے ان کو معزول کرنے کے لئے آوازیں اٹھانی شروع کیں تو حضرت عثمانؓ کو بہت فکر پیدا ہوا اور یقین ہوا کہ میرا خدشہ صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے ان شکایتوں پر کان نہ دھرا' ولایات پر اپنے رشتہ داروں کو ہی باقی رکھنے پر اصرار کیا اور انہی کے مشوروں پر اعتماد کیا۔ اس پر عامۃ المسلمین اور صحابہ میں بڑا ہیجان برپا ہوگیا اور باغیوں نے اسی بات کو لے کر آپ سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا۔ یہی چیز تھی جو فتنہ کی

آگ بھڑکانے کا موجب ہوئی اور آگے چل کر اس آگ نے ایسی شکل اختیار کر لی جس کا بجھانا کبارِ صحابہؓ امت کے بڑے بڑے آدمیوں کی طاقت سے بھی باہر ہو گیا۔اب لوگ پچھتائے کہ کاش وہ پہلے ہی سے انتظام کرتے جس سے یہ فتنہ بڑھنے نہ پاتا لیکن اس وقت ان کا پچھتاوا بالکل بے سود تھا۔"

(۲۶)

حادثہ فاجعہ

مفسدین نے دیکھا کہ اگر خلیفہ کا محاصرہ زیادہ طویل ہو گیا تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں گے اور فوجیں آ کر ہمارا کام تمام کر دیں گی۔شروع میں ان کا یہ خیال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسا دیکھیں گے تو وہ خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہو جائیں گے لیکن جب دن گزرتے چلے گئے۔محاصرہ جاری رہا۔حضرت عثمانؓ اپنے گھر میں مقیم ہو گئے اور آپ کے اعیان و انصار نے آپ کو ان ظالموں کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے تدابیر اختیار کرنی شروع کیں تو ان کو معلوم ہوا کہ اگر اب وہ کوئی یقینی فیصلہ کیے بغیر یہاں سے اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے تو حضرت عثمانؓ کے عمال انہیں جیتا نہیں چھوڑیں گے۔چنانچہ انہوں نے آپ کو شہید کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دروازہ سے حملہ آور ہوئے اور اس کو جلا دیا۔اس پر گھر میں جو اشخاص جمع تھے انہوں نے حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے باوجود ان کا زبردست مقابلہ کیا۔ان لوگوں میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔

مغیرہؓ بن الاخنس بن شریق۔حسن بن علیؓ محمد بن طلحہؓ عبداللہؓ بن زبیرؓ مروان' ابو ہریرہؓ

دونوں فریقین میں زبردست جنگ ہوئی اور یہ مفسدین دروازے کی راہ سے حضرت عثمانؓ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب ان محاصرینؓ نے دیکھا کہ دروازہ کی راہ سے گھر میں داخل ہونا ان کو بہت مہنگا پڑا۔ تو انہوں نے کسی اور راہ سے گھر میں داخل ہونے کی ٹھانی۔چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے پڑوسی عمر بن حزم کے گھر میں داخل ہو کر اور اس کی دیوار پھاند کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔دروازہ پر جو لوگ موجود تھے ان کو اس کا علم ہی نہ ہو سکا۔جو شخص سب سے پہلے آپ کے گھر میں داخل ہوا اس نے آپ سے خلافت سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا اور وعدہ کیا کہ اگر آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو محاصرین آپ سے بالکل تعرض نہ کریں گے۔لیکن حضرت عثمانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ میں اس قمیض کو اتارنے کے لئے تیار نہیں جو اللہ تعالی نے مجھے پہنائی ہے۔اس پر وہ شخص آپ کے پاس سے چلا گیا۔

اس کے بعد محمد بن ابی بکر آپ کے پاس پہنچا اور آپ کی ریش مبارک کو پکڑ کر کہنے لگا۔

''اے نعثل! خدا تجھے ذلیل کرے۔''

حضرت عثمانؓ نے کہا۔

''میں نعثل نہیں ہوں بلکہ میں عثمانؓ اور امیر المومنین ہوں۔''

اس نے کہا:

''معاویہ اور فلاں فلاں آپ کے کیا کام آ سکتے ہیں؟''

اس دوران میں وہ آپ کی داڑھی کو برابر پکڑے رہا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا۔

''اے میرے بھتیجے! اگر تیرا باپ اس وقت یہاں ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا۔''

اس نے جواب دیا:

''اگر میرا باپ آپ کو ایسے کام کرتے دیکھتا تو ضرور آپ کے خلاف کھڑا ہو جاتا۔ اور میں تو داڑھی پکڑنے سے بھی زیادہ سخت کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

حضرت عثمانؓ نے کہا:

''میں تیرے خلاف خدا ہی سے مدد چاہتا ہوں۔''

اس پر اس نے داڑھی چھوڑ دی اور وہاں سے نکل گیا۔

اس کے بعد آپ پر قتیرہ سودان بن حمران اور غافقی نے حملہ کیا۔ غافقی نے لوہے کی ایک سلاخ آپ کے سر پر ماری اور حضرت عثمانؓ کے سامنے جو قرآن شریف پڑا ہوا تھا اس کو لات مار کر لڑھکا دیا۔ (1) وہ قرآن مجید لڑھک کر آپ کے پاس آ گیا اور آپ کے سر سے خون کے قطرے اس پر گر پڑے۔ اس کے بعد سودان آپ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا اور لیکن آپ کی بیوی نائلہ بیچ میں آ گئیں۔ اس پر اس نے تلوار سے وار کیا اور اس کی تین انگلیاں کاٹ دیں۔ (2) جس شخص کے وار سے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اس کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ سودان بن حمران تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ کنانہ بن البشر التجیبی تھا۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کا ایک غلام آپ کی مدد کے لئے کچھ لوگوں کو لے کر اندر آیا اور سودان پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس پر قتیرہ نے اس غلام کو مار ڈالا اور گھر میں جو کچھ تھا اس کو لوٹ کر باہر نکل گئے۔

(1) قرآن کریم کی اس صریح توہین کے بعد مرتضٰی جیسے مصنف ہی کہہ سکتے ہیں کہ مفسدین کی نیت نیک تھی۔ ایسا کام تو شریف غیر مسلم بھی نہیں کرتے جو نام کے مسلمانوں نے کیا۔ (مترجم)

(2) عورتوں پر حملہ کرنے والے بھی مرتضٰی کے نزدیک امن پسند انسان تھے۔

جب یہ لوگ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے آپ کے کمرہ سے باہر نکلے تو حضرت عثمانؓ کے ایک غلام نے قتیرہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ باہر نکلتے وقت انہوں نے گھر میں جو کچھ تھا وہ لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ عورتوں کے بدن پر جو زیور تھا وہ بھی اتار لیا۔ کلثوم تجیبی نے حضرت نائلہ کی چادر اتار لی تھی۔(1) حضرت عثمانؓ کے ایک اور غلام سے یہ برداشت نہ ہو سکا اور اس نے اس کو قتل کر دیا۔ اسی دوران میں عمرو بن الحمق حضرت عثمانؓ کے کمرہ میں داخل ہوا۔ حضرت عثمانؓ میں ابھی کچھ جان باقی تھی وہ آپ کے سینہ پر چڑھ بیٹھا اور آپ پر سات وار کیے۔ ان لوگوں نے آپ کا سر بھی کاٹ لینا چاہا۔ جس پر عورتوں نے چلانا شروع کر دیا اور ابن عدیس نے کہا: ''چھوڑ دو۔'' عمر بن ضابی نے آ کر آپ کی ایک پسلی توڑ ڈالی اور کہا:

''اس نے میرے باپ کو قید میں ڈال دیا تھا اور وہ قید ہی میں مر گیا تھا۔''

اب ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں میں منادی کرا دی کہ بیت المال کی طرف چلو۔ اور جو کچھ اس میں ہے لوٹ لو۔ بیت المال کے محافظ خزانہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بیت المال میں سونے کی صرف دو تھیلیاں تھیں جو ان لوگوں نے لوٹ لیں۔(2)

حضرت عثمانؓ 13 ذی الحجہ 35ھ کو بروز جمعہ شہید کیے گئے۔(3)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ محاصرین نے حضرت عثمانؓ سے مروان کو ان کے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ محاصرین میں سے بعض لوگ بنی زہرہ میں سے تھے جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے طرفدار بن کر آئے تھے۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں سزا دی تھی اور عبداللہ بن مسعود ان کے حلیفوں میں سے تھے۔ بعض لوگ بنی مخزوم اور ان کے حلیفوں میں سے تھے جو عمار بن یاسر کی وجہ سے آئے تھے۔ بعض لوگ غفار اور ان کے حلیفوں میں سے تھے جو ابوذر کی وجہ سے آئے تھے۔ تیم بن مرہ کی شمولیت محمد بن ابی بکر کی وجہ سے تھی۔

جب حضرت علیؓ کو یہ خبر پہنچی کہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ اور اپنے غلاموں کو ہتھیار دے کر حضرت عثمانؓ کے گھر ان کی مدد کے لئے بھیج دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ اور حضرت طلحہؓ نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی اس مقصد کیلئے بھیجا۔ اسی طرح سے اکثر صحابہ نے اپنے اپنے

(1) ملاحظہ فرمایا آپ نے ایسے لوگ گمراہ بھی مرتضیٰ کے نزدیک دین کے حامی اور ملت کے غمخوار ہیں۔

(2) دشمنی میں آدمی کتنا بے اصول ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ کو قتل کرنے اور مسلمانوں کے بیت المال کو لوٹنے والے سنگدلوں کو مرتضیٰ جیسے مصنف اپنے مطالبے اور اپنے افعال میں حق بجانب سمجھتے ہیں اور یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کو عثمانؓ سے خدا واسطے کا بیر ہے۔

(3) عیسوی تاریخ 12 جون 656ء تھی۔(مترجم)

بیٹوں کو حضرت عثمانؓ کی مدد کیلئے بھیج دیا۔(1) چنانچہ انہوں نے دروازہ پر حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اوران کو دروازہ کی راہ سے گھر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اسی مقابلہ میں حضرت حسنؓ حضرت علیؓ کا غلام قنبر اور محمدؓ بن طلحہ زخمی ہو گئے۔ حملہ آوروں نے کچھ لوگوں کو دروازہ پر مقابلہ کے لئے چھوڑ دیا اور کچھ لوگ ایک انصاری پڑوسی کے مکان میں داخل ہو کر اور دیوار پھاند کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے ان لوگوں میں محمد بن ابی بکر اور دو آدمی اور تھے۔ حضرت عثمانؓ کے پاس آپ کی بیوی اہل وعیال اور آپ کے آزاد کردہ غلام تھے جو لڑائی میں مشغول تھے۔ محمد بن ابی بکر نے آگے بڑھ کر آپ کی داڑھی پکڑ لی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا: 'اے محمد! اگر تیرا باپ اس وقت موجود ہوتا تو کبھی تیرے اس فعل کو اچھی نظر سے نہ دیکھتا۔''

اس نے شرمندہ ہو کر داڑھی چھوڑ دی اور وہاں سے نکل کر اپنے گھر چلا گیا۔ محمد بن ابی بکر کے بعد وہ دونوں آدمی آپ کے پاس پہنچے اور آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کے سامنے اس وقت قرآن شریف رکھا ہوا تھا اور آپ اس کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی بیوی چیخنے چلانے لگیں کہ امیر المومنین شہید کر دیئے گئے۔

جب یہ آواز دروازہ پر ان لوگوں کو پہنچی جو فتنہ پردازوں کا مقابلہ کر رہے تھے تو وہ اندر بھاگے اور آ کر دیکھا کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ جب صحابہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ بے تحاشہ آپ کے گھر کی طرف بھاگے۔ حضرت علیؓ نے گھر میں آ کر اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ:

''جب تم دروازہ پر تھے تو لوگوں کو امیر المومنین کے شہید کرنے کی جرات کیسے ہوئی؟''

اور آگے بڑھ کر حسنؓ کو ایک طمانچہ مارا اور حسین کو بھی (2) محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو بھی برا بھلا کہا۔ حضرت علیؓ نے آپ کی بیوی حضرت نائلہ سے پوچھا:

''آپ تو ان کے پاس ہی تھیں ان لوگوں میں سے کس نے انہیں شہید کیا؟''

انہوں نے کہا: ''دو آدمی آپ کے پاس آئے تھے انہوں نے ہی یہ کام کیا'' اور ساتھ ہی محمد بن ابی بکر کا واقعہ بھی بیان کیا اس پر حضرت علیؓ نے متعجب ہوئے بغیر کہا:

---

(1) ان واقعات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ پر یہ الزام کس قدر غلط ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی مدد سے دست کش ہو گئے تھے۔ انسان اپنے آپ خطرہ میں پڑنا گوارا کر لیتا ہے مگر یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی اولاد کو کسی طرح کی تکلیف پہنچے۔ ان بزرگوں نے اپنے جگر گوشوں کو موت کے منہ میں دھکیل دینے سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ سارے بزرگ جن پر ناسمجھ اور کم مواد مصنف حضرت عثمانؓ سے رنجش کے الزامات لگاتے ہیں۔ درحقیقت خلافت اور خلیفہ کے نہایت درجہ جاں نثار تھے۔

(2) اللہ اللہ! اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ عثمانؓ کا مخالف تھا اور ان سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ (مترجم)

''میں اس کو قتل کرنے گیا تھا لیکن اس کی باتیں سن کر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ باقی دو آدمیوں کا مجھے پتا نہیں۔ خدا کی قسم حضرت عثمانؓ کی شہادت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے اور وہ میری بے خبری میں شہید کر دیے گئے۔''

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ آپ کے گھر میں بنی امیہ کے اٹھارہ اور آدمی بھی قتل کیے گئے تھے۔

آپ کی شہادت سے متاثر ہو کر حضرت حسانؓ بن ثابت نے کئی پر درد مرثیے لکھے جن میں حضرت عثمانؓ کی شہادت پر اظہار رنج والم کرنے کے علاوہ ان لوگوں کے رویہ پر افسوس ظاہر کیا گیا تھا جنہوں نے اس نازک وقت میں حضرت عثمانؓ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا' اور بے فکر ہو کر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ ان مراثی میں سے چند کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''حضرت عثمانؓ کو انصار نے آپ کی موت کے قریب ذلیل وخوار کیا۔
حالانکہ انصار آپ کی دوستی اور محبت کا دم بھرتے تھے۔
آپ کو بلوائیوں میں تنہا مصیبت وبلا کے حوالے کر دیا گیا جو تمام اہل شہر کے لئے نہایت درجہ باعث ننگ ہے۔
اس وقت اہل حیا کہاں چلے گئے تھے جب آپ پر پانی بند کیا گیا؟
زبیرؓ کو طلحہؓ کی طرف سے کون عذر کر سکتا ہے؟
پھر محمد بن ابی بکر اور ان کے پیچھے عمار اعلانیہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچ گئے۔
اور حضرت علیؓ اپنے گھر میں بیٹھ کر صرف لوگوں سے حال دریافت کرتے رہے۔ (1)

(1) ان مرثیوں میں جنہیں حضرت حسانؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے انصار' حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کی مدد نہ کرنے کا الزام لگایا گیا ہے حالانکہ انصار نے باغیوں کے حملہ کے وقت حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر عرض کیا تھا کہ وہ انہیں مقابلہ کرنے اور باغیوں سے لڑنے کی اجازت دے دیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے مسلمانوں میں خونریزی ہو۔ مجبور ہو کر صحابہ واپس چلے گئے۔ اگر ان کو اجازت مل جاتی تو وہ ضرور آپ کے ساتھ ہو کر باغیوں سے لڑتے۔ حضرت طلحہؓ '' حضرت زبیرؓ ' اور حضرت علیؓ نے باوجود حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے اپنے بیٹوں کو دشمنوں کا مقابلہ کرنیکے لئے حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر بھیج دیا۔ اس صورت میں انصار اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ پر کس طرح کوئی الزام آ سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں کسی نے یہ اشعار کہہ کر حضرت حسانؓ کی طرف منسوب کر دیے ہیں جس طرح ''نہج البلاغۃ'' میں حضرت علیؓ کی طرف کئی اقوال منسوب کر دیے گئے ہیں لیکن دراصل وہ ان کے نہیں۔ حضرت حسانؓ سب باتیں دیکھتے ہوئے ایسے اشعار کبھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ (مترجم)

ایک اور مرثیہ میں کہتے ہیں:

''جو موت کا طالب ہو اور موت اس کو محبوب ہو وہ حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر آ کر دیکھ لے۔

اگر تم بروز شہادت خلیفۃ اللہ کی عزت اور مرتبہ پر نظر کرتے تو کیوں ایسے برے کام میں مشغول ہوتے؟

عثمانؓ بڑے استقلال اور پورے صبر سے کام لیتے ہوئے مقتول ہوئے۔

میری ماں اور اس کی تمام اولاد آپ پر سے قربان ہو۔

کیا ہم اہلِ شام اور ان کے امیر سے ان کی غفلت پر کبھی راضی ہو سکتے ہیں؟

باوجودیکہ وہ خیر خواہ تھے مگر آپ کی مدد کو نہ آئے۔

میں تو ضرور ان لوگوں کو الزام دوں گا جب تک زندہ ہوں اور میرا نام حسان ہے۔

اگر چہ وہ لوگ غائب ہوں یا حاضر، بہت جلد اپنے ملکوں میں سن لیں گے۔ اللہ اکبر

اے قاتلین عثمانؓ! جس شخص کے سر پر سفید بال (یعنی اسلام میں عمر گزاری اور بوڑھے ہوئے) اور پیشانی پر سجدے کے نشان تھے اور راتیں تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن میں گزارتا تھا افسوس تم نے ایسے بزرگ شخص کو قربانی بنا کر ذبح کر ڈالا۔''

پھر مفسدین کے سرکردہ آدمیوں اور لشکروں کے ان لوگوں کی جنہوں نے مدینہ میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ اس طرح ہجو بیان کرتے ہیں:

تم نے کفار اور دشمنان خدا کی لڑائی اور جہاد ترک کیا اور آنحضرت ﷺ کے مزار کے پاس ہم سے لڑے۔

تم نے یہ بری راہ اختیار کی اور مسلمانوں کے طریقہ کو چھوڑ دیا اور یہ برا کام تو بدکار اور عمداً امر بد کے مرتکب ہونے والے کا ہے۔

اصحاب رسول خدا بروز شہادت قربانیوں کی طرح مسجد کے دروازہ پر مذبوح پڑے تھے۔

میں ابوعمرو (حضرت عثمانؓ) کی مصیبت پر روتا ہوں جو بقیع غرقد (1) میں ابدی نیند سوئے پڑے ہیں۔

ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے تو حضرت علیؓ مسجد میں تھے۔ چنانچہ ابن عبدالبر ابوجعفر انصاری سے روایت کرتا ہے:

---

(1) بقیع غرقد وہ مقام ہے جہاں حضرت عثمانؓ کا مزار ہے۔

''میں مصریوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے مکان میں گیا تھا۔ جب انہوں نے آپ پر حملہ کیا تو میں دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہوا۔ وہاں ایک گوشہ میں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ وہ مجھے اس طرح ہانپتا کانپتا ہوا دیکھ کر بولا کہ ''کیوں ایسے بدحواس ہو رہے ہو؟'' میں نے جواب دیا کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ اس شخص نے کہا ''تم پر قیامت تک لعنت پڑتی رہے گی۔'' میں نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت علیؓ تھے۔''

حضرت عثمانؓ کی مدّتِ خلافت بارہ دن کم بارہ سال تھی۔ آپ کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں پچھتر سال تھی اور بعض کا خیال ہے نوے سال تھی۔

یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے اہل بیت کو بے شمار مال و دولت عطا کی تھی جو دراصل مسلمانوں کا مال تھا۔ اس نے بیان کیا ہے حارث بن کلدہ کے غلام زیاد بن عبید اللہ کو حضرت ابوموسیٰ اشعری والی بصرہ نے کافی مال و اسباب دے کر بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنے بیٹوں اور اہل وعیال میں تقسیم کر دیا۔ جب زیاد نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ رو پڑا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے پوچھا: ''تم کیوں روتے ہو؟''

زیاد نے کہا:

''میں نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو بھی خلیفہ ہونے کی حالت میں دیکھا ہے۔ ان کے ایک بیٹے نے بیت المال کی کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضرت عمرؓ نے اس کو جھڑک دیا اور لڑکا روتا ہوا باہر نکل گیا اور آپ نے اپنے بیٹوں کو یہ سارا مال تقسیم کر دیا ہے۔''

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

''حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے اہل وعیال اور قرابت داروں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کچھ نہیں دیا کرتے تھے اور میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے اپنے اہل وعیال بیٹوں اور قرابت داروں کو مال و دولت سے نوازتا ہوں۔''

مرتضیٰ عبداللہ بن مسعودؓ کو سزا دینے ابوذر غفاریؓ کو مدینہ سے ربذہ بھیج دینے اور وہاں ان کے غریب الوطنی کے عالم میں وفات پا جانے کا بھی ذکر کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے معاویہ کو حکم دیا تھا کہ ابوذر کو بڑی تکلیفیں دے کر شام سے مدینہ بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا حالانکہ مسلمانوں میں ان کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ وہ ایک جلیل القدر صحابی اور رسول کریم ﷺ سے بہت قریب تھے۔ (1)

(1) ان اعتراضات کے جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ (مترجم)

حضرت عثمانؓ کے خلاف مرتضیٰ کی تنقید پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہم پہلے ہی ان امور کے بارہ میں بحث کر چکے ہیں البتہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک گمراہ شخص کی رائے حضرت عثمانؓ کی خلافت اور سیاست کے بارہ میں ہے۔ (اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص حضرت عثمانؓ کے متعلق جو کہے وہ تھوڑا ہے۔ ایسے لوگ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں ان کے دلوں میں اس سے زیادہ بغض بھرا ہوا ہے)۔

بعض قدیم مورخین حضرت عثمانؓ کو بالکل بری الذمہ قرار دیتے ہیں اور آپ کی سیاست اور آپ کے عمال کو نکتہ چینی سے بالکل مبرا سمجھتے ہیں۔ جو جو اعتراض آپ پر کیے جاتے ہیں انہوں نے ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ بایں ہمہ ہر تنقید کو فضول قرار نہیں دیا جا سکتا اور ہر اعتراض کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اس وقت جب کہ کوئی بھی حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور بنوامیہ کو رعایا پر مسلط کر دینے سے انکار نہیں کر سکتا۔ بعض صحابہ پر سختی کرنے کی کوئی معقول وجہ تلاش بھی کر لی جائے لیکن اس امر سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ آپ بہت نرم دل تھے اور آپ کی نرمی سے فائدہ اٹھا کر بنوامیہ لوگوں کے سروں پر مسلط ہو گئے تھے جس سے حضرت عمر فاروقؓ بہت ڈرا کرتے تھے۔

معاصر مورخین حضرت عثمانؓ کی سیاست کے متعلق ایک جدید نظریہ قائم کرتے ہیں جو قدما کے نظریوں سے کافی مطابقت رکھتا ہے۔ اس موضوع پر بعض معاصر مورخین کی آراء درج ذیل کی جاتی ہیں۔

خضری مرحوم یہ رائے ظاہر کرتے ہیں:

''مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ سے انتہا درجہ کی محبت تھی۔ عرب عدل اور مساوات کے بھی بہت دلدادہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو آزادی عدل و مساوات کی شیرینی چکھا دی تھی۔ عبداللہ بن سبا نے ان کی خلقی کمزوریوں کو بھانپ لیا۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ ان میں رسول کریم ﷺ کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اہل بیت کی بہت تعظیم ہے۔ لوگوں میں حضرت علیؓ کے متعلق پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا جس طرح ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اسی طرح حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے وصی ہیں اور چونکہ وہ حق پر ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کا حق ان کو دیا جائے اور جو شخص ان کا حق چھینتا ہے وہ ظالم اور غاصب ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حضرت علیؓ کی تعریف کے پل باندھنے شروع کر دیئے اور آپ کے درجہ کو اتنا چڑھایا کہ الوہیت کا مرتبہ دے دیا۔ ظاہر ہے کہ خود حضرت علیؓ اس کے نظریات سے کسی طرح موافقت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس کو اس سے کیا غرض تھی؟ اسے تو اپنا مطلب نکالنا تھا۔ اس طرح لوگوں کی نظروں میں اس کی وقعت بہت بڑھ گئی اور اسکے لئے اپنے نظریات لوگوں میں پھیلانا بہت آسان ہو گیا۔ اس

شخص کو ان لوگوں سے خدا واسطے کا بیر تھا جن کے ہاتھوں میں خلافت وسلطنت کے امور تھے۔ چنانچہ اس نے پہلے اپنا اعتبار قائم کر کے ان عمال کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا۔ اس کے لئے اس نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ عرب عدل ومساوات کے بہت دلدادہ تھے اور جمہور کو یہ کہہ کر بڑی آسانی سے بھڑکایا جا سکتا تھا کہ فلاں شخص کے ہاتھوں تمہاری آزادی خطرہ میں ہے تم اس سے عدل وانصاف کی امید بالکل نہ رکھو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال کے خلاف اس طرح پروپیگنڈہ شروع کیا کہ کبھی تو کہا عمّال نوجوان ہیں۔ انہیں معاملات سلطنت کی کچھ خبر نہیں اور وہ بالکل ناتجربہ کار ہیں۔ کبھی یہ کہا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ کبھی یہ کہا کہ وہ ظالم ہیں اور لوگ ان کے ہاتھوں نالاں ہیں وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں کر کے اس نے ہر شہر میں اپنا ایک گروہ بنالیا۔ اب لوگوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ ہر شہر کا گروہ دوسرے شہر کے لوگوں کو ان فرضی مظالم کی تفصیل بھیجنے لگا۔ جو اس شہر کے عامل نے وہاں کے مسلمانوں پر کیے۔ یہ خطوط عامتہ المسلمین میں اعلانیہ پڑھے جاتے تھے۔ سادہ لوح مسلمانوں کو جب ان فرضی مظالم کا پتا چلتا جو ان کے خیال میں ان کے بھائیوں پر وہاں کے ظالم عمال نے روا رکھے ہوئے تھے تو ان کے دلوں میں ان عمال کے خلاف نفرت کے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے رحم کے جذبات پیدا ہوتے تھے۔

☆☆☆☆☆

(سیرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان)

تحقیق

خالد محمود

ترجمہ

ڈاکٹر نور احمد

۶۔ مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور

فون: ۷۲۳۸۶۵۷-۰۴۲ موبائل: ۰۳۰۰-۹۴۶۷۰۴۷